اعتبارِ وفا

آخری قسط

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل ودماغ کو کوئی دوسری بات سُجھائی تک نہیں دیتی۔
ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔
مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غُنچے وہیں کِھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصّہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں

ثمر حیات بھی جیسے وہاں ہی دروازے کے پاس ساکت ہو گیا تھا۔ شاہجہان کی نظریں تو جیسے اس کے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں۔ بیس، اکیس سال پہلے جب وہ چونتیس، پینتیس سال کا تھا تب بھی دل کی دنیا اتھل پتھل کر دیتا تھا اور آج بھی بیس، اکیس سال بعد جب اس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو گئے تھے اور سر سے بھی سفید بال جھانک رہے تھے آج بھی شاہجہان کے دل میں تلاطم بپا تھا...... تب اس کے وجود سے ایک بے قراری اور بے چینی جھلکتی تھی اور آنکھوں میں جیسے کوئی سوز منجمد تھا جو دل کو پگھلاتا تھا۔ وہ سوز آج بھی اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ٹھہرا ہوا تھا لیکن اس کی اپنی ذات میں شاہجہان کو ایک ٹھہراؤ سا محسوس ہوا تھا۔ شاہجہان کی نظریں اس کی طرف اٹھتیں ان پُر سوز آنکھوں کو چوم کر جھکتیں پھر اٹھتیں اور اسے حصار میں لے لیتیں۔ آسمان وزمین کی گردش جیسے شاہجہان کے لیے رک گئی تھی۔ آسمان کے سارے ستاروں کی روشنیاں جیسے اس چھوٹے سے لاؤنج میں اتر آئی تھیں۔ شاہجہان کی آنکھیں جیسے چکا چوند ہوئی جاتی تھیں۔ بہت مشکل سے شاہجہان نے اس سحر سے خود کو نکالا۔

''دادا تم کہاں چلے گئے تھے...... کب سے ڈھونڈ رہی تھی تمہیں...... مانو کنوؤں میں بانس ڈلوا دیے لیکن تم تو ایسے غائب ہوئے کوئی اتا نہ پتا۔''

''کیوں ڈھونڈ رہی تھیں مجھے؟'' ثمر حیات کے لبوں سے تھرتھراتی ہوئی سی آواز نکلی تھی۔ دل جیسے ڈوب، ڈوب کر ابھرتا تھا۔

''اصل میں خانو دادا سے کام تھا۔ سوچا شاید تمہیں پتا ہو اس کا۔''

''ایسا کیا کام آپڑا تھا اس سے؟'' ثمر حیات نے کب کی روکی ہوئی سانس آزاد کی۔

''بس ایک امانت کا بوجھ دھرا تھا سینے پر...... ایک وعدے کی زنجیر میں بندھی تھی اور اب تو مانو زنجیریں گوشت

میں اترنے لگی تھیں۔'' شاہجہان اس بے خودی کی سی کیفیت سے پوری طرح نکل آئی تھی' اس نے ثمر حیات کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''ہم پہلے تو وہ گھر چھوڑ کر گلبرگ چلے گئے تھے۔ کچھ عرصے بعد لاہور شہر ہی چھوڑ دیا اور ادھر کراچی میں ڈیرے ڈال لیے۔'' ثمر حیات ریلیکس سا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ خوفزدہ تھا کہ شاہجہان شاید عظام کے لیے اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ شاید عظام کے ماں، باپ کو اس کا پتا چل گیا ہے اور وہ عظام سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''اور نانو دادا آج کل کہاں ہے..... مجھے اس سے ملنا ہے۔'' شاہجہان نے بے چینی سے پوچھا۔

''وہ اِدھر ہی ہیں کراچی میں۔''

''کہاں، کس جگہ، دادا تم مجھے خانو دادا کی طرف لے چلو ابھی آج ہی۔'' شاہجہان کی بے قراری نے... ثمر حیات کو حیران کیا لیکن اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے لے چلوں گا۔''

''موراں، موراں.....'' شاہجہان نے سیڑھیوں سے اترتی موراں کو آواز دی۔ ''ستو جو سے کہہ عظام کے والد کو منع کر دے ابھی آنے سے..... ابھی مجھے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ شام کا ٹائم دے دے۔''

''موراں۔'' ثمر حیات نے مڑ کر سیڑھیوں کے بیچوں بیچ کھڑی موراں کو دیکھا..... ''کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں..... میں ہی عظام کا باپ ہوں۔''

''ہائے یہ کیا غضب ہو گیا ہے۔'' موراں نے پہلے دانت میں انگلی دبائی اور پھر گرتی پڑتی اوپر کی طرف بھاگی اور شاہجہان، موراں سے نظریں ہٹا کر ثمر حیات کو حیرت سے دیکھنے لگی۔

''عظام تمہارا بیٹا ہے دادا...... وہ تو گم ہو گیا تھا۔ خانو دادا نے بتایا تھا...... کیا مل گیا؟'' ثمر حیات نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور کاکا...... کاکا کدھر ہے؟'' شاہجہان کو اچانک ہی اس کا خیال آیا تھا۔

''کدھر جانا ہے اس نے، میرے پاس ہی ہے۔'' ثمر حیات نے مبہم سا جواب دیا اور پھر مسکرا کر شاہجہان بیگم کی طرف دیکھا۔

''عظام میرا بیٹا ہے اور بجل......''

''بجل میری بیٹی ہے۔'' شاہجہان نے اس کی بات کاٹی۔ ''سنہری سے چھوٹی ہے۔ تمہارے جانے کے بعد پیدا ہوئی۔ بارہ جماعت پاس ہے۔ قرآن بھی پڑھا ہے اس نے مولوی صاحب سے...... اور میں نے اسے ناچ گانے سے دور رکھا ہے۔'' ثمر حیات مسکرایا۔

''اور آج میں اپنے بیٹے کے لیے تمہاری بیٹی کا ہاتھ مانگنے آیا ہوں۔''

''دادا...... تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ شاہجہان کی جان مانگو تو وہ بھی حاضر ہے۔ اور آج بھی شاہجہان کا دل ویسا ہی ہے۔ جان مانگو تو شاہجہان اپنے ہاتھوں سے اپنا سر کاٹ کر تمہارے قدموں میں ڈال دے۔'' شاہجہان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ثمر حیات نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر جیسے اسے کچھ اور اک ہوا اور اس اور اک نے اسے نظریں چرانے پر مجبور کر دیا۔

''بجل میری بیٹی ہے دادا! میری طرف سے تم آج اسے بیاہ کر لے جاؤ...... پر رشتے ناتے تو ماں، باپ دونوں کی مرضی سے طے ہوتے ہیں ناں...... میں چاہتی ہوں یہ رشتہ اس کے باپ کی موجودگی میں طے پائے تو اچھا ہے۔'' اس کے لبوں پر ایک بھید بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''اس کے باپ کا نام نہیں پوچھو گے دادا؟''

''کہاں ہیں وہ بلوا لیں انہیں۔''

شاہجہان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور وہ دھیمی آواز میں ہولے، ہولے کچھ کہنے لگی۔

☆☆☆

ڈی ون کے شاندار ڈرائنگ روم میں شاندار اور قیمتی صوفے پر بیٹھے خان دادا نے بے حد حیرت سے شاہجہان کی پوری بات سنی تھی۔

''اور اتنے سارے سالوں سے تم کہاں تھیں شاہجہان بیگم؟''

''میں نے کہاں جانا تھا دادا...... تم ہی اپنا کوئی پتا نشان چھوڑے بغیر غائب ہو گئے تھے۔ بجو پیدا ہوئی تو چالیسویں دن ہی اسے گود میں لیے تیرے دروازے پر گئی تھی پر وہاں اتنا بڑا تالا لٹک رہا تھا۔''

''اور پہلے...... پہلے کہاں تھیں تم...... مجھے یاد ہے جس رات میں تمہارے پاس گیا تھا اس کے بعد تین چار مہینے تک تو میں لاہور میں ہی تھا۔ اور میری غیر موجودگی میں ثمر حیات ہوتا تھا وہاں...... کیا تجھے پہلے خبر نہیں ہوئی تھی جب میں نے تم سے کہا تھا کہ......'' وہ بہت جز بز ہو رہا تھا یہ احساس ہی بہت مار دینے والا تھا کہ اس کا خون، اس کی غیرت اتنے سالوں سے کہاں تھی اور کچھ وہ مشکوک بھی ہو رہا تھا۔

''بس ذرا دیر کے لیے بے ایمانی آ گئی تھی دل میں...... سوچا تھا لڑکی ذات ہوئی تو......'' شاہجہان نے نظریں جھکا لیں۔ ''پر اس کے بعد دادا کبھی نہیں...... کتنے چکر لگائے آس پاس سے پوچھا...... پر میں نے تیرے ساتھ کیا وعدہ نبھایا۔ اسے کوٹھے کی محفلوں سے دور کسی قیمتی موتی کی طرح چھپا کر رکھا اور وہ ہے بھی ایسی ہی سیپ میں بند موتی کی طرح شفاف، پاکیزہ...... اسے مقدور بھر پڑھایا، لکھایا اور اب تیرے ساتھ کیے وعدے کے مطابق اس کی

شادی کر رہی ہوں۔ آج اس کے رشتے کے لیے لڑکے کا باپ آیا تو تیرا پتا چلا سوچا ہاں کہنے سے پہلے تجھ سے بھی پوچھ لوں...... اس کے اسکول، کالج کے سرٹیفکیٹ پر تو ظہورے کا نام ولدیت کے خانے میں لکھوا دیا تھا پر اب نکاح نامے پر اس کے اصل باپ کا نام لکھنا چاہتی ہوں دادا۔''

جلیل خان اس اچانک افتاد سے الجھ گیا تھا۔ وقت بہت آگے نکل چکا تھا۔ زندگی کئی رنگ بدل چکی تھی۔ وہ اب ایک چھوٹا موٹا دادا نہ تھا۔ ایک بہت بڑے گروہ کا بگ باتھا جس کی رسائی انڈرورلڈ کے لوگوں تک تھی۔ کبھی جی چاہتا تھا کہ شاہجہان کو دے دلا کر بھیج دے لڑکی کی شادی بیاہ کا خرچ اٹھا لے اور...... بس...... لیکن پھر اندر ہوتی جنگ پر ایک باپ غالب آ گیا۔ اس نے آج تک شادی نہیں کی تھی، وہ عورتوں سے دور بھاگتا تھا...... بس اس رات اس نے غم غلط کرنے کے لیے جو شراب پی تھی اس نے اسے بالکل ہی مدہوش کر دیا تھا۔

''لڑکا کیا کرتا ہے شاہجہان بیگم...... کیسا ہے، خاندان کیا ہے؟'' اپنی سوچوں سے نکل کر اس نے شاہجہان بیگم سے پوچھا۔

تب ہی ثمر حیات نے جو شاہجہان کو جلیل خان کے پاس چھوڑ کر خود سیمو کی طرف چلا گیا تھا اندر قدم رکھا۔ اس کے لبوں پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ تھی۔

''بگ با...... کیا آپ کو اپنی بیٹی بجل کے لیے میرے بیٹے عظام کا رشتہ قبول ہے۔'' جلیل خان کی حیرت زدہ نظریں کچھ دیر ثمر حیات کی طرف اٹھی رہیں پھر یک دم اس نے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا اور بازوؤں میں بھینچتے ہوئے بولا۔

''اوئے یہ کیا کہانی بن گئی حیاتے، پہلے تم میرے داماد تھے اور اب سمدھی بن گئے۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

شاہجہان نے آنکھیں گھما، گھما کر ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا۔ اور دل ہی دل میں ہنسی۔

''یہ سنہری بھی آدمی ولی ہو گئی ہے۔ بجو کا باپ ملوں کا مالک نہ سہی پر ان جیسا دولت مند ضرور لگتا ہے۔''

جلیل خان، ثمر حیات کے گرد ایک بازو حمائل کیے صوفے پر بیٹھ گیا تھا...... اور شاہجہان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں شاہجہان بیگم کہ تم نے میری بیٹی کو اپنی دنیا سے انجان رکھا...... لیکن تم تو لاہور میں تھیں یہاں کیسے اور عظام سے کیسے ملاقات ہوئی؟'' شاہجہان نے ساری بات بتائی۔ کہیں کچھ نہ چھپایا۔ الف سے یے تک ساری روداد کہہ دی۔

''صاحبزادہ صاحب کی تو فکر مت کرو...... وہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم لاہور جانا چاہتی ہو تو میری خواہش ہے کہ تم میری وحدت روڈ والی کوٹھی میں رہو۔ وہ میں تمہارے نام کر دیتا ہوں۔ تم میری بیٹی کی ماں ہو...... میں چاہتا ہوں کہ تم اور تمہاری بیٹیاں اپنا پرانا پیشہ چھوڑ کر شریفانہ زندگی گزاریں۔ گزارے لائق خرچ تمہیں ملتا رہے گا...... کوشش کروں گا کہ دیکھ بھال کر موتیا اور سنہری کے رشتے بھی کروا دوں کہیں۔''

اس نے اتنی لمبی بات ایک ہی سانس میں کہہ ڈالی تھی۔ شاہجہان کی نظریں بھٹک، بھٹک کر ثمر حیات کے چہرے پر جا ٹھہرتی تھیں اس نے خانو دادا کی بات سنی تھی اور سمجھ بھی گئی تھی کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی کو اپنے رشتوں کے حوالے سے سسرال میں کوئی شرمندگی ہو۔

''تمہیں یاد ہو گا دادا تم نے بھی ایک قول دیا تھا۔''

''ہاں......'' خانو دادا سٹپٹایا۔

اسے اپنا قول اچھی طرح یاد تھا پر اب...... اس نے شاہجہان کی طرف دیکھا۔ اگر شاہجہان جیسی عورت اپنا وعدہ نبھا سکتی ہے تو وہ کیوں نہیں۔

''مجھے اپنا قول بھی یاد ہے اور الفاظ بھی لیکن تب اور اب میں بہت فرق ہو گیا ہے۔ جو زندگی میں گزار رہا ہوں

اس میں شادی شدہ زندگی کے تقاضے نبھانے کی گنجائش نہیں ہے۔ بعض اوقات میں مہینوں بلکہ سالوں ملک سے باہر رہتا ہوں...... بہ صورتِ حال اگر تمہیں منظور ہے تو میں ابھی تم سے نکاح پڑھوانے کے لیے تیار ہوں۔'' اور شاجہان مسکرائی تھی۔

''پچاس سال کی عمر میں شاجہان کو اس کی پروا بھی نہیں ہے خانو دادا...... بقول سنہری کے نکاح کے بول پڑھا کر صرف میں ہی معتبر نہیں ہوں گی۔ تیری بجل بھی اپنی سسرال میں معتبر ہو جائے گی۔''

''تو ٹھیک ہے، جلیل خان بھی اپنے قول کا پکا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو پہلے میری بیٹی سے تو مجھے ملواؤ...... ویسے اس خیال سے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے کہ میں جلیل خان سچ مچ ایک بیٹی کا باپ ہوں...... اور بیٹی بھی وہ جسے آج تک دیکھا نہیں۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔ ثمر حیات اور شاجہان بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ تب ہی ثمر حیات کے فون پر عظام کی کال آنے لگی۔

''بہت بے تاب ہو رہا ہے۔'' ثمر حیات نے کال کاٹ دی اور مسکراتا ہوا جلیل خان اور شاجہان بیگم کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

عنبرین بیڈ روم میں آئی تو اس نے بیڈ پر پڑے گیلے تولیے کو دیکھا۔ بابر کی یہ بہت بری عادت تھی کہ نہانے کے بعد تولیا بیڈ یا صوفے پر پھینک دیتا تھا، وہ رات کو اچانک ہی آ گیا تھا اور اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ دونوں نے ڈنر باہر ہی کیا تھا اور اب نہا کر ناشتا لینے گیا تھا۔ اسے نہاری اور پائے وغیرہ بہت پسند تھے اور اکثر وہ ناشتے پر لے کر آتا تھا۔ اس نے تولیا اٹھایا کہ ٹیرس پر پھیلا دے اور تولیا اٹھاتے ہوئے اچانک ہی اس کی نظر بابر کے فون پر پڑی جو تولیے کے نیچے رکھا تھا۔ بابر شاید بے دھیانی میں چھوڑ گیا تھا۔ ورنہ وہ اپنے فون کے لیے بہت محتاط رہتا تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر فون اٹھا لیا۔ افنان کی کئی مسڈ کالز تھیں اور ایک دو ایمل کی بھی تھیں۔ رات اس نے فون سائلنٹ پر کر دیا تھا۔

''آج کی رات تمہارے نام...... میں نہیں چاہتا کہ کسی کی فون کال ہمیں ڈسٹرب کرے۔'' بابر کی ایسی باتیں جو وہ کبھی کبھار ہی کرتا تھا ہمیشہ اسے خوش کر دیا کرتی تھیں سو وہ آج بھی خوش تھی...... وہ فون ہاتھ میں لیے دیکھ رہی تھی۔ وہ لاک نہیں تھا شاید اس لیے اس کی انگلیوں کے چھونے سے یک دم میسج کھل گیا تو اس نے یونہی ان باکس میں جا کر میسج پڑھنا شروع کر دیے۔ دوسرے میسج نے ہی اسے ساکت کر دیا تھا۔ میسج اوپن تھا۔ اس کا مطلب تھا بابر اسے پڑھ چکا تھا۔

''لڑکی کو شاجہان کے پاس پہنچا دیا ہے۔ کام بالکل پلان کے مطابق انجام پا گیا ہے۔ یونیورسٹی سے واپسی پر میں......'' کچھ آہٹ ہوئی تھی باہر اس نے فوراً ہی گھبرا کر فون بیڈ پر پھینک دیا اور اوپر گیلا تولیا ایسے ہی پھینک کر تیزی سے بیڈ روم سے نکل کر لاؤنج میں آ گئی۔ کچھ دیر وہاں ہی کھڑی رہی لیکن جب بابر نہیں آیا تو وہ سمجھ گئی کہ کوئی اور ہو گا۔

وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کچن میں آ گئی اور چائے کے لیے پانی رکھ دیا...... وہ اس میسج میں الجھی ہوئی تھی...... اس طرح کی بات اس نے پہلے بھی بابر سے سنی تھی جو کچھ دن بعد اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ لیکن اب پھر میسج یہ بابر آخر کیا کرتا پھر رہا تھا...... پانی ابل رہا تھا...... اس نے چائے دم کی ہی تھی کہ بابر نے اندر آ کر شاپرز اسے پکڑا دیے۔

''رینو ڈیئر ذرا جلدی سے ناشتا لگا دو، مجھے دس بجے پراپرٹی ڈیلر سے ملنا ہے۔''

عنبرین نے خاموشی سے شاپرز پکڑ لیے گرم، گرم نان نکال کر ہاٹ پاٹ میں رکھے اور نہاری باؤل میں ڈال کر مائیکرو ویو میں گرم کرنے کے لیے رکھی۔ بابر سیدھا بیڈ روم میں چلا گیا تھا...... اس نے کھڑکی سے دیکھا وہ فون

اٹھائے کسی سے بات کررہا تھا۔ لیکن آواز اتنی مدھم تھی کہ وہ سن نہیں سکی...... اس نے ناشتا ٹیبل پر لگایا اور بابر سے جو اب صوفے پر بیٹھ چکا تھا ناشتا کرنے کے لیے کہا۔

بابر اٹھ کر ٹیبل تک آیا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا...... اس نے اس کی پلیٹ میں نان رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''اوہ...... ہاں کیا ہوا افی...... یار رات میں نے فون سائلنٹ پر کردیا تھا تم نے کب کال کی تھی۔ اوہ اچھا ابھی کی تھی...... کیا ہوا...... خیریت ہے...... اوہ نہیں...... کب ہوا یہ واقعہ...... اور تمہیں کب پتا چلا...... تفصیل بتاؤ مجھے......'' دوسری طرف کی بات سننے کے بعد اس نے تسلی دی۔

''تم پریشان مت ہو...... میں بس ابھی نکل رہا ہوں لاہور کے لیے اور تمہاری ماما کو لے کر میں پہلی دستیاب فلائٹ سے کراچی آرہا ہوں۔'' وہ ایمل کو گوجرانوالہ جانے کا بتا کر نکلا تھا کہ اماں اور ابا سے مل کر کل تک آجاؤں گا۔ عنبرین ٹیبل پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

''بیٹھ جاؤ یار، ناشتا کرو۔''

''کیا ہوا بابر خیریت ہے ناں......؟'' وہ پریشان سی اسے دیکھ رہی تھی۔

''خیریت تو نہیں ہے، رتی کو کل کسی نے اغوا کرلیا۔ یونیورسٹی سے واپس آتے ہوئے۔ یونیورسٹی جاتے ہوئے اس نے افنان سے کہا تھا کہ وہ یونیورسٹی کے بعد عالیہ کی طرف چلی جائے گی کیونکہ اس کی مہندی کا فنکشن تھا اور اس نے افی سے یہ بھی کہا چونکہ رات کو فنکشن ختم ہوتے، ہوتے دیر ہوجائے گی اس لیے رات وہ اُدھر ہی رہے گی۔ لیکن دس بجے صبح عالیہ نے لینڈ لائن پر فون کیا کیونکہ رتی کا فون بند تھا۔ افنان نے ریسیو کیا، عالیہ گلہ کررہی تھی کہ وہ رات اس کی مہندی کے فنکشن میں نہیں آئی تھی اس لیے وہ اس سے ناراض ہے۔ افنان بیچارہ تو پریشان ہوگیا۔ کیونکہ رتی یونیورسٹی سے گھر واپس ہی نہیں آئی تھی۔ وہ گاڑی لے کر یونیورسٹی کی طرف نکلا کہ شاید کسی اور فرینڈ کی طرف چلی گئی ہو لیکن راستے میں ہی اس کی گاڑی ایک جگہ روڈ سے ہٹ کر کھڑی تھی...... اس کے کلاس فیلوز نے بتایا کہ وہ یونیورسٹی سے عالیہ کے گھر جانے کے لیے ہی نکلی تھی۔ شاید تاوان کا چکر ہے۔'' بابر نے پورے اطمینان سے تفصیل بتائی جبکہ وہ اس دوران ٹیبل پر یونہی ہاتھ رکھے سانس روکے اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کررہی تھی، وہ بالکل بھی اس طرح پریشان نہیں لگ رہا تھا جس طرح اسے پریشان ہونا چاہیے تھا۔ اس نے ہمیشہ یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ رتی سے بہت محبت کرتا ہے لیکن اس وقت وہ تفصیل بتا کر بہت رغبت سے ناشتا کررہا تھا...... عنبرین کے دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

''ناشتا نہیں کرنا کیا؟'' بابر نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں پتا ہے بابر اتنا ہیوی ناشتا مجھے پسند نہیں ہے۔''

''اوکے پھر چائے لے آؤ۔'' بابر نے ہاٹ پاٹ سے دوسرا نان نکالا...... ایک بار پھر اس کا فون بج اٹھا۔ کچن کی طرف جاتی عنبرین کے قدم سست ہوئے۔

''اوہ ممی، میری افنان سے بات ہوگئی ہے۔ ساڑھے بارہ بج رہے ہیں، میں بس دو بجے تک پہنچ جاؤں گا۔ آپ دعا کریں رتی مل جائے گی۔'' ناشتا کرنے کے بعد اس نے اطمینان سے سگریٹ سلگایا۔ کسی پراپرٹی ڈیلر سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا۔

''اور اگر وہ رتی کا سگا باپ ہوتا تو کیا تب بھی وہ اتنا ہی مطمئن ہوتا......'' اپنے لیے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے عنبرین نے سوچا۔

''وہ اتنا مطمئن کیوں ہے..... جیسے رتی کے اغوا کی خبر اس کے لیے معنی نہیں رکھتی جیسے وہ پہلے سے جانتا تھا کہ رتی.....'' وہ چونکی مسیج کے الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے آگئے۔ گھبرا کر اس نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اسے یک دم بابر سے خوف محسوس ہونے لگا تو وہ ٹیبل سے برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی..... اس نے خود کو کچن میں مصروف کرلیا..... وہ برتن دھورہی تھی جب بابر کچن کے دروازے تک آیا۔

''میں جارہا ہوں، کراچی جانا پڑے گا مجبوری ہے پھر جلدی آؤں گا۔''

''رتی.....'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔ ''اگر وہ نہ ملی تو.....؟'' اس کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے ارتفاع آرہی تھی۔

''مل جائے گی۔ تاوان کا چکر ہوگا..... اس کی ماں کے پاس بہت پیسہ ہے۔ چھڑالے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود ہی کہیں چلی گئی ہو۔ بہت آزاد سی تھی، کئی بوائے فرینڈ تھے اس کے..... میں تو کہتا نہیں تھا کہ ایمل یہ نہیں کہے کہ سوتیلا باپ ہوں تو.....'' عنبرین کو وہ اس وقت بہت سفاک لگا۔ رتی ایسی نہیں تھی اس کے دل نے گواہی دی تھی..... بابر اس کا رخسار تھپتھپاتا ہوا کچن سے باہر نکلا اور ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا..... وہ اس کے جانے کے بعد برتن یوں ہی سنک میں چھوڑ کر باہر لاؤنج میں آئی اور صوفے پر بیٹھ گئی اب وہ رورہی تھی اور وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کیوں رورہی ہے۔

☆☆☆

ایمل مچل، مچل کر رورہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔

''ممی میری ارفی.....'' اور ممی کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے اسے سنبھالیں۔ خود ان کی اپنی حالت بھی بہت بری تھی۔

''بابر آرہا ہے پھر چلتے ہیں کراچی حوصلہ کرو، دعا کرو.....''

''ممی میرا دل پھٹ رہا ہے۔ میں کیا کروں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔'' انہیں تو خود ہی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے تسلی دیں۔ کل بابر، ایمل کو چھوڑ کر اپنے ماں، باپ سے ملنے گوجرانوالہ چلا گیا تھا۔ انہوں نے بھی اسے روکا نہیں تھا کیونکہ انہیں تنہائی میں ایمل سے بات کرنی تھی۔ ہمدانی صاحب نے جو کچھ انہیں بتایا تھا وہ ایمل کو بتانا چاہتی تھیں لیکن انہوں نے سوچا تھا کہ وہ آرام اور سکون سے ایک دو روز تک ایمل کو بابر کی شادی کے متعلق بتائیں گی وہ ذرا ریلیکس ہوجائے تو ابھی تو وہ خود ہی ارتفاع کے رویّے کی وجہ سے پریشان تھی۔

لیکن اب یہ واقعہ ہوگیا تھا۔ ناشتا کر کے وہ فارغ ہوئی ہی تھیں کہ افنان کا فون آگیا تب سے ایمل ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔

''ایما..... میری جان..... صبر کرو، دعا کرو بابر آتا ہی ہوگا۔'' انہوں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے گلے سے لگایا..... تب ہی پریشان سا گھبرایا ہوا بابر لاؤنج میں آیا۔ ''بابر.....'' وہ اٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔

''بابر خدا کے لیے میری ارفی کو لے آؤ..... پتا نہیں کیا حال ہوگا اس کا۔'' بابر کچھ دیر تسلی دینے کے انداز میں ہولے ہولے اسے تھپکتا رہا پھر آہستگی سے اسے الگ کیا اور بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا اور خود بھی پاس بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

''ایما اس طرح رونے اور جذباتی ہونے سے مسئلے حل نہیں ہوتے..... یہ بہت سوچ سمجھ کر حل ہونے والا مسئلہ ہے۔ نائنٹی پرسنٹ یہ اغوا برائے تاوان کا کیس لگتا ہے۔ پچھلے دنوں کئی واقعات ہوئے ہیں وہاں۔ میں نے افنان کو کہہ دیا ہے کہ جیسے ہی اس طرح کی کوئی کال آئے فوراً فون کرے اور تم جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ ہمیں ابھی نکلنا ہے۔ گھنٹے بعد کی فلائٹ میں دو سیٹیں مل گئی ہیں۔ ایک دوست ہے میرا وہاں ایئرپورٹ پر وہ کہہ رہا ہے فوراً نکل

آئیں..... پندرہ بیس منٹ تو یہاں سے ائرپورٹ پہنچنے میں لگ جائیں گے۔''

''ممی.....'' ایمل نے ممی کی طرف دیکھا۔

''ہاں ٹھیک ہے، تم اور بابر... چلے جاؤ..... میں اس طرح فوراً تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی..... اگلی فلائٹ میں آجاؤں گی..... نہ جانے کتنے دن لگ جائیں۔ گھر کا سب انتظام کر کے ہی جانا ہے..... چوکیدار کے سوا سب ملازموں کو چھٹی دینی ہوگی..... اللہ کا نام لے کر تم نکلو..... اگلی فلائٹ میں مجھے انشاء اللہ سیٹ مل جائے گی میں ہمدانی صاحب سے کہہ دیتی ہوں۔''

''بابر پلیز، افنان سے کہہ دو وہ جو کہیں اُن کی بات مان لے..... ہم دے دیں گے جتنا مانگا انہوں نے بس میری ارفی کو کچھ نہ کہیں وہ.....''

''او کے..... او کے..... دیکھتے ہیں، تم چلو اٹھو منہ ہاتھ دھولو، ٹائم نہیں ہے ہمارے پاس۔'' وہ ایمل کو اٹھا کر بیڈروم کی طرف لے گیا۔

ممی وہاں ہی بیٹھی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کے ہاتھ پاؤں میں طاقت نہیں رہی ہو وہ جو ایمل کی وجہ سے ضبط کیے ہوئے تھیں، ایمل کے اٹھتے ہی اُن کا ضبط جواب دے گیا اور انہوں نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا اور گرم سیال ان کی آنکھوں سے بہنے لگا۔

☆☆☆

بابر کو گھر سے نکلے نہ جانے کتنی دیر ہوگئی تھی اور عنبرین ابھی تک صوفے پر بیٹھی تھی..... ٹیبل پر چائے کے کپ اور باقی ماندہ پلیٹیں پڑی تھیں۔ ''کیا بابر نے ارتقاع کو خود اغوا کروایا ہے؟'' اس نے خود سے پوچھا۔ ''لیکن کیوں.....؟'' لیکن اس کیوں کا جواب اس کے پاس نہیں تھا..... وہ رات کو ورلڈ ٹور کا پروگرام بنا تا رہا تھا۔ ''تو کیا وہ اس طرح تاوان وصول کر کے پیسہ اکٹھا کرنا چاہتا ہے'' لیکن پھر اس نے خود ہی اس خیال کو رد کر دیا..... اس کے ذہن میں وہ فون کال آگئی تھی جب بابر کسی سے کہہ رہا تھا..... ''دام کھرے کرنا چاہو تو بے شک کرلو..... ''یعنی معاملہ پیسے کا نہیں ہے اور پھر بھلا بابر کے پاس پیسوں کی کیا کمی ہے۔ میسج کے الفاظ بار، بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے..... بابر کے آدھے نامکمل سے جملے..... ہر بات اس کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ ارتقاع کو بابر نے خود..... اس کا سر دکھنے لگا تو وہ سر جھٹک کر کھڑی ہوگئی۔

''مجھے کیا، میں کیوں اتنی ٹینس ہو رہی ہوں، وہ بابر کی بیٹی ہے بھلے سوتیلی ہی سہی..... اس کا دردِ سر ہے۔'' سنک میں ان دھلے برتن پڑے تھے۔ ابھی اس نے صفائی بھی کرنی تھی اور ٹیلر سے کپڑے لینے بھی جانا تھا۔ وہ سنک کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی اور ایک کپ پر صابن کی جھاگ لگائی۔

''اگر ارتقاع کی جگہ میری بیٹی ہوتی تو کیا تب بھی مجھے فرق نہیں پڑتا.....'' اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی بیٹی کا چہرہ آ گیا..... مایوں کے لباس میں شرمائی گھبرائی سی..... ''نہیں.....'' اس نے ایک جھرجھری سی لی۔ ''اللہ نہ کرے۔ میری بیٹی کے ساتھ ایسا ہو..... وہ بھی تو کسی کی بیٹی ہے۔'' دل نے سرگوشی کی..... وہ ہاتھ میں پکڑا گلاس سنک میں رکھ کر کچن کی کرسی پر بیٹھ کر رونے لگی..... اس کے دل پر یک دم ہی بہت سا بوجھ آ گرا تھا۔ ''یہ تم تھیں عنبرین جس نے ایمل کا گھر برباد کیا تھا..... اگر تم ایسا نہ کرتیں تو ارتقاع آج اپنے سگے باپ کے سائے تلے پلتی۔'' اس کا ضمیر مسلسل اسے کچوکے لگا رہا تھا۔ ''اللہ نے تمہیں موقع دیا ہے عنبرین کہ تم آج کفارہ ادا کرسکو..... شاید پھر قدرت تمہیں یہ موقع نہ دے۔'' لیکن اس کے بعد کیا ہوگا بابر مجھے اپنی زندگی سے نکال دے گا۔ اور میں کہاں جاؤں گی۔ میرا کون ہے، نہیں اور پھر کیا خبر میسج میں کس لڑکی کا ذکر ہے..... میں خواہ مخواہ بابر کی نظر میں معتوب ٹھہروں اور بابر کتنا مہربان ہے آج کل..... وہ ورلڈ ٹور، سوسائٹی میں متعارف کروانے کا وعدہ..... ''اندر

مسلسل جنگ جاری تھی۔ کبھی خود غرضی غالب آجاتی اور کبھی ضمیر جیت جاتا...... آخر میں جیت ضمیر کی ہوئی۔ وہ ایک بار پھر حساب کتاب کرنے لگی...... جواب یہی تھا کہ رتی کو بابر نے خود اغوا کروایا ہے...... ''یا اللہ ارتفاع کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا...... اسے اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔'' اس نے زیرِلب دعا مانگی اور کھڑی ہوگئی۔ ''میں بہرحال ایک کوشش ضرور کروں گی۔ کامیابی، ناکامی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے ابھی حامد ولا...... میں جا کر ایمل کو سب کچھ بتا دینا چاہیے۔ مجرم کی نشاندہی ہوگئی تو پھر ارتفاع کو ڈھونڈنا مشکل نہیں ہوگا......'' وہ اٹھی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور گھر لاک کر کے باہر روڈ پر آگئی...... ''اس سے پہلے کہ ایمل نکل جائے اسے جا کر ساری حقیقت بتانی ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے ایک رکشے کو روکا اور اس میں بیٹھ گئی۔

ایمل اور بابر کے جانے کے بعد کچھ دیر تک ممی یونہی صوفے پر بیٹھی رہیں ایک بار انہوں نے سوچا کہ وہ ہمدانی صاحب یا میجر طاہر کو فون کریں اور ان سے مشورہ کریں لیکن پھر انہوں نے سوچا کہ یہ ایسی بات نہیں ہے کہ غیروں سے ڈسکس کی جائے۔ ''اللہ کرے کہ ارتفاع کا پتا مل جائے...... تاوان کی رقم دینے کے لیے وہ تیار ہیں......'' وہ ہمت کر کے اٹھیں اور ملازمہ کے ساتھ مل کر کمرے وغیرہ لاک کیے، چیزیں سنبھالیں ملازموں کو ہدایات دیں...... صفائی وغیرہ کرنے والی کو ایک ہفتے کی چھٹی دی اور اپنا بیگ تیار کر کے وہ لاؤنج میں آئیں تاکہ ہمدانی صاحب کو فون کر کے اپنے لیے سیٹ بک کروانے کا کہیں...... ابھی انہوں نے نمبر ملانے کے لیے فون اٹھایا ہی تھا کہ چوکیدار نے لاؤنج کے دروازے پر دستک دی...... اور پھر ملازم لڑکی کے دروازہ کھولنے پر عنبرین اندر آگئی۔

''مجھے ایمل سے ملنا ہے۔''

''ایمل باجی تو چلی گئی ہیں اور بڑی بیگم صاحبہ بھی کراچی جارہی ہیں۔ آپ......؟'' عنبرین نے ملازم لڑکی کی بات کو نظر انداز کر دیا اور سامنے کھڑی ممی کی طرف بڑھی جو اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں۔

''سوری...... میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' اسے قریب آتے دیکھ کر ممی نے پوچھا۔

''میں عنبرین ہوں، ایکچوئیلی مجھے ایمل سے ملنا تھا لیکن میں شاید کچھ لیٹ ہوگئی ہوں...... آپ ایمل کی ممی ہیں ناں......؟'' اس نے لحہ بھر کے لیے نظریں اٹھائیں۔

''پلیز آپ میری بات سن لیں۔''

''میں بہت جلدی میں ہوں، مجھے ابھی کراچی کے لیے نکلنا ہے۔ آپ پلیز بعد میں کسی روز آجائیے گا۔''

''میری بات بہت ضروری ہے میم، مجھے ارتفاع کے متعلق بات کرنی ہے۔''

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں اور اپنا ہاتھ صوفے کی بیک پر رکھا۔

''مجھے ارتفاع کے اغوا کے متعلق کچھ بتانا ہے۔''

''کیا...... کیا جانتی ہیں آپ ارتفاع کے اغوا کے متعلق...... آپ کو کس نے بتایا؟'' ان کی آواز میں لرزش تھی اور وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے عنبرین کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اور عنبرین نے سر جھکائے شروع سے لے کر آخر تک سب کچھ کہہ دیا۔

ممی ساکت بیٹھی تھیں۔

''میں جانتی ہوں بابر مجھے طلاق دے، دے گا یا مجھ سے بہت برا سلوک کرے گا...... میں کچھ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ لیکن مسز حامد میری بھی ایک بیٹی ہے...... میں خود کو روک نہیں سکی...... میں نے بہت برا کیا...... میرا عمل قابلِ نفرت ہے۔ شاید میں قابلِ معافی بھی نہیں ہوں...... لیکن مجھے لگا ارتفاع میری بیٹی ہے اور......'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ مسز حامد نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا...... بابر اتنا بھی گر سکتا ہے...... انہیں یقین نہیں آرہا

تھا...... اور شاید کبھی نہ آتا اگر کرنل حامد نے وہ خط نہ لکھا ہوتا اور ہمدانی صاحب نے تصدیق نہ کی ہوتی۔

''شاید آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔'' اس نے ہاتھوں کی پشت سے چہرہ صاف کیا۔

''یہ میرے پاس نکاح نامے کی کاپی ہے جو میں اس لیے ساتھ لے کر آئی ہوں تا کہ ...''

''مجھے تمہاری بات کا یقین ہے عنبرین کیونکہ مجھے بابر کی شادی کا علم ہے۔ تم یہ بتاؤ یہ شاہجہان کون ہے؟''

''میں نہیں جانتی...... لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ کوئی شریف عورت نہیں ہے کیونکہ مہینہ بھر پہلے جب بابر فون پر کسی سے بات کر رہا تھا تو اس نے لڑکی کے دام کھرے کرنے کی بات بھی کی تھی...... پلیز آپ کو جو کچھ کرنا ہے جلدی کریں کہیں کوئی نقصان نہ ہو جائے۔''

''میں کیا کر سکتی ہوں۔'' انہوں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''میں اگر ایمل سے بات کروں تو کیا وہ یقین کر لے گی۔ کیا افنان اپنے باپ کے متعلق ایسا سوچ سکتا ہے۔ شاید نہیں...... لیکن تم اگر میرے ساتھ کراچی چلو تو شاید بابر مکر نہ سکے...... کیا تم چلو گی؟''

وہ تو اپنی ساری کشتیاں جلا آئی تھی۔ وہ ارتقاع کو بچانا چاہتی تھی۔ وہ برسوں پہلے کی گئی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''اب جو ہو سو ہو۔''

مسز حامد نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی اور اس کی سیٹ بک کروانے کے لیے ہمدانی صاحب کو فون کرنے لگیں۔

☆☆☆

سجل آئی سی یو میں تھی اور اسے یہاں آئے تین گھنٹے ہو گئے تھے لیکن اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا اور یہ سب موراں کا کیا دھرا تھا۔

''ایک بار سجل کو ہوش آ جائے تو پھر میں اس موراں کی بچی کا جو حشر کروں گی عمر بھر یاد رکھے گی منحوس......'' سنہری نے وزیٹرز لاؤنج میں بیٹھی ہوئی شاہجہان سے کہا۔ یہاں شاہجہان کے علاوہ جلیل خان، ثمر حیات، عظام اور مدثر حسن سب ہی موجود تھے۔ عظام از حد پریشان تھا۔ وہ بار، بار آئی سی یو تک جاتا اور موتیا سے اس کے متعلق پوچھ کر باہر آ جاتا...... ثمر حیات نظروں ہی نظروں سے اسے تسلی دے رہے تھے۔ کبھی کبھار اس کے بازو کو تھپتھپا کر اسے حوصلہ دیتے۔ سنہری نے شاہجہان کی طرف دیکھا جس نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

''یہ کمبخت موراں......'' اس نے دانت پیسے۔ ''جل گئی ہماری خوشی سے۔'' وہ اور موتیا کتنی خوش، خوش سجل کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی اسے تیار ہوتا دیکھ رہی تھیں جب موراں کمرے میں بوکھلائی ہوئی سی داخل ہوئی تھی۔ سجل نے مڑ کر دیکھا تھا اور اس کے لبوں پر شرمگیں سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''کیا اماں نے بلایا ہے سجو کو......؟'' سنہری نے پوچھا تھا۔

''لو وہ بیچاری اب کیا بلائے گی۔'' موراں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کیوں، کیا ہوا؟'' سنہری پریشان ہوئی تھی۔

''عظام کے ابا تو آئے ہوئے ہیں ناں......؟''

''ہاں...... آں......'' موراں نے بے معنی سی آواز نکالی۔ ''حاتی دادا آیا ہوا ہے نیچے اپنی سجو کا باپ......'' موراں نے آخر آج وہ راز اگل ہی دیا جو برسوں سے دل میں چھپائے بیٹھی تھی۔

''وہ نہیں ہے سجو کا باپ......'' سنہری نے اسے ڈپٹا تھا۔

لیکن موراں کو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ اس رات کا پورا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔ اور پھر کب کوئی شاہجہان کی خواب گاہ میں آیا تھا۔

''وہی ہے بجو کا باپ......'' اس نے پورے یقین سے کہا۔ ''ارے مجھ سے بہتر کون جانتا ہے پر غضب یہ ہوا ہے کہ عظام اسی حاتی دادا کا بیٹا ہے۔ لو بھلا اب بہن بھائی۔'' موراں نے ہاتھ ملے تھے......اور بجل پورے قد سے نیچے گری تھی۔ موتیا چیخ کر اسے سنبھالنے کے لیے اٹھی تھی اور سنہری نے اسے دھکا دیا تھا۔

''منحوس، کمبخت، کل جبی'' (کالی زبان والی) اور تیزی سے بجل کی طرف آئی تھی جس کا رنگ لحموں میں سپید ہو گیا تھا۔ موتیا اسے پکار رہی تھی۔ اس کے ہاتھ مل رہی تھی۔

''بجو......بجل جھوٹی ہے یہ موراں، اماں نے ایک بار بھی اپنی زبان سے اقرار نہیں کیا کہ حاتی دادا......'' وہ شاہجہان کو بلاتی نیچے کی طرف بھاگی لیکن لاؤنج خالی پڑا تھا......اس نے لاؤنج کا دروازہ کھولا اور گیٹ کے پاس کھڑے شیدے کو آواز دی تھی۔

''شیدے......او شیدے......جا بھاگ کر ٹیکسی پکڑ کر لا......بجو کو اسپتال لے کر جانا ہے......اور یہ اماں کہاں گئی ہیں۔''

''پتا نہیں......'' شیدے نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

اور وہ شیدے کو ٹیکسی کا کہہ کر بھاگتی ہوئی اوپر آئی تھی۔ موتیا، بجل کا سر گود میں رکھے نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی......وہ پاس بیٹھ کر اس کے تلوے ملنے لگی......جانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ شیدا ٹیکسی لے کر نہیں آیا تھا۔

''یا اللہ، یہ شیدا کہاں مر گیا؟'' وہ پھر نیچے آئی تھی اور تب ہی شاہجہان واپس آ گئی تھی اور ساری بات سن کر اس نے موراں کو ڈانٹا تھا۔

''مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا کمبخت، بلا سوچے سمجھے جو منہ میں آتا ہے بول دیتی ہے......یہ ہے بجو کا باپ جلیل خان......اور میں حاتی دادا کے ساتھ اس کی طرف گئی تھی۔'' اور سنہری نے بہت حیرت سے اس شاندار شخص کو دیکھا تھا اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ جانے کیا کرتی لیکن اس وقت تو بجو کی جان کی پڑی تھی۔

''اماں......اماں......'' موتیا تقریباً بھاگتی ہوئی وزیٹر لاؤنج کی طرف آئی تھی۔

''بجو کو ہوش آ گیا ہے۔'' اور وہ سب ایک ساتھ اٹھے تھے۔ شاہجہان، سنہری، جلیل خان اور عظام، موتیا کے پیچھے چلے گئے تھے جبکہ مدثر حسن اور ثمر حیات وہاں ہی بیٹھے رہے تھے۔ مدثر حسن کو جانا مناسب نہیں لگا تھا اور......ثمر حیات بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھے رہے تھے۔ آئی سی یو میں تو یوں بھی اتنے سارے لوگ اکٹھے نہیں جا سکتے تھے۔

''ثمر حیات صاحب یہ محبت کا جذبہ بھی کیا جذبہ ہوتا ہے۔ کبھی، کبھی سوچتا ہوں۔'' مدثر حسن، ثمر حیات سے کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ثمر حیات معذرت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ایک منٹ پروفیسر صاحب میں ابھی آیا۔'' ثمر حیات کی نظریں اچانک ہی اس کی طرف اٹھی تھیں۔

یہ وہی تھا......وہی لڑکا مقبول بٹ کا ہم شکل یہ وہی اسپتال تھا جس میں رواحہ ایڈمٹ تھا اور چند دن قبل اسے اس لڑکے پر مقبول بٹ کا گمان ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ آج پھر کسی کمرے میں گم ہو جاتا اس نے اسے جا لیا۔

''کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟''

''نبیل بٹ......'' لڑکے نے مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''آپ کے والد کا نام؟''

''مقبول بٹ......''

''آپ لاہور سے ہیں؟''

''جی......''لڑکے کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی۔ثمر حیات کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

''وہ کہاں ہوتے ہیں پاکستان یا یو کے......''

''ابو تو اِدھر ہی آئے ہوئے ہیں۔''

تب ہی اس روم کا دروازہ کھول کر کوئی باہر آیا تھا جس کے سامنے وہ دونوں کھڑے تھے......نبیل بٹ نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

''ابو جی یہ آپ کا پوچھ رہے ہیں۔''مقبول بٹ نے ایک نظر اسے دیکھا......اور پھر بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھا۔

''ثمر حیات......اوئے ثمرے تو کہاں مر گیا تھا۔کب سے تجھے ڈھونڈتا پھر رہا ہوں......کچھ عرصہ پہلے کراچی آیا تھا......یہ تیرا بھتیجا اِدھر ہی جاب کرتا ہے......میری طرح یہ بھی سسرال کے شہر کو بسائے بیٹھا ہے۔اس کی بیوی کراچی کی ہے ناں......تو میں کہہ رہا تھا کہ میں اس کے پاس آیا تھا ملنے تو ایک دن اچانک تیری جھلک نظر آ گئی تھی۔ایک گھر میں جاتے دیکھا تھا۔پہلے شک تھا یقین نہیں تھا اس لیے چلا گیا پر گھر جا کر دل بار، بار کہتا تھا کہ میں نے جس شخص کو دیکھا ہے ہو نہ ہو وہ اپنا ثمر حیات ہی ہے۔''اس نے اسے خود سے الگ کیا۔

''بس تو پھر اللہ کا نام لے کر تیرے گھر آیا پر تیرے چوکیدار نے بتایا کہ تم کہیں باہر گئے ہوئے ہو......سوچا تھا ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد پھر چکر لگاؤں گا پر ماموں کی بیماری کی خبر آ گئی لندن سے تو بس جانا پڑا۔تجھے پتا تو ہے ناں ماموں صرف ماموں نہیں سسر بھی ہے۔چند ہی روز پہلے آیا ہوں اور اماں کو لے کر سیدھا کراچی پہنچا ہوں پر یہاں آتے ہی جو اماں بیمار ہوئیں تو دس بارہ دن سے یہاں داخل ہیں۔''

مقبول بٹ آج بھی پہلے کی طرح بے تحاشا بولتا تھا۔ثمر حیات نے بہت تحمل سے اس کی بات سنی تھی۔البتہ اماں کے ذکر پر چونکا تھا۔کیونکہ مقبول بٹ کی والدہ کا تو اس کے لندن جانے کے چند دن بعد ہی انتقال ہو گیا تھا۔بیچارہ مقبول ماں کا آخری دیدار بھی نہیں کر سکا تھا۔ممکن ہے وہ اپنی ممانی کو ہی ساس کے رشتے سے اماں کہہ رہا ہو۔

''کیا ہوا ثمر حیات بولتے کیوں نہیں......ہمیشہ کی طرح میں ہی بولے جا رہا ہوں۔''اچانک مقبول بٹ کو خیال آیا تھا کہ ثمر حیات بالکل خاموش ہے۔

''اس لیے کہ ہمیشہ کی طرح تم مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہے۔''ثمر حیات مسکرایا۔

''اوہ......ہاں۔''اس نے خجل سا ہو کر قہقہہ لگایا۔

''یہ بتا بھابی کیسی ہیں، بچے کتنے ہیں......ویسے یار تم ہو بڑے گھنے کبھی پتا ہی نہیں چلنے دیا کہ تم اور فرحی......''اور ثمر حیات کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دل پر ضرب لگائی ہو۔

''ابو یہاں ہی کھڑے رہیں گے۔اندر کمرے میں چل کر آرام سے بات کریں۔''نبیل نے اسے کہا تو اسے احساس ہوا کہ بہت دیر سے وہ کاریڈور میں کھڑے ہیں۔

''اوہ......ہاں......دراصل ثمر کو اتنے سالوں بعد اچانک دیکھ کر جو خوشی مجھے ہو رہی ہے ناں اس نے بوکھلا دیا ہے۔ایک ہی وقت میں بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔خیر چلو آؤ تمہیں اماں سے ملواؤں۔''مقبول بٹ کے ہونٹوں پر ایک بھید بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔وہ اس مسکراہٹ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوا اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا سامنے ہی بیڈ پر ٹیک لگائے وہ بیٹھی تھیں۔

''کہاں رہ گیا تھا پتر...... بس اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ میں بھلی چنگی ہوں...... ان ڈاکٹروں نے خواہ مخواہ روک رکھا ہے، مجھے اسپتال سے لے جاؤ بس ایک بار مرنے سے پہلے اپنے بیٹے کو اپنے ثمر کو دیکھ لوں تو........'' اور ثمر حیات کو ایک ہی لمحہ لگا تھا اماں کو پہچاننے میں...... سینتیس، اڑتیس سال پہلے وہ اتنی بوڑھی نہیں تھیں اور اب جھریوں بھرے چہرے والا دبلا پتلا وجود......

''اماں جی......'' وہ تیر کی طرح مقبول بٹ کو ایک طرف ہٹاتا ان کی طرف لپکا تھا۔

''ثمر...... ثمری میرا بیٹا...... میرا شہزادہ......'' بوڑھے، کمزور بازوؤں نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔ جھریوں بھرے ہاتھ بار، باراس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیتے...... اور بے یقینی سے دیکھتی آنکھیں برس پڑتیں...... دونوں کے آنسو رک نہیں رہے تھے۔

''ثمر پلیز بس کرو، اماں کے لیے اتنی جذباتیت نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔'' مقبول نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اماں سے الگ کیا اور خود ان سے جڑ کر بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ ایک روز میں ثمر کو آپ سے ضرور ملواؤں گا...... میں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے، بس آپ نے رونا نہیں ہے۔''

''مقبول، اماں تمہیں کہاں ملیں؟'' ثمر حیات نے خود کو سنبھالا ''میں نے تو بہت تلاش کیا تھا انہیں بہت ڈھونڈا لیکن نہیں ملی تھیں۔''

''میں تقریباً تیرہ چودہ سال بعد انگلینڈ سے پاکستان آیا تو تمہارے متعلق پتا چلا...... یقین نہیں آیا کہ تم فرحی کو اس طرح ساتھ لے جاؤ گے۔'' مقبول بٹ نے کہا۔ دل پر جیسے پھر کسی نے چھری چلائی تھی۔ اس نے یقیناً دانستہ بھگانے کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔

''تمہارے ابا اور اماں کے متعلق بھی پتا چلا...... اب یہ اتفاق ہی تھا کہ واپس جانے سے صرف ایک ہفتہ پہلے مجھے پاگل خانے جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک جاننے والے کی عزیزہ تھیں جن کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں تھا اور اس نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ میں وہاں جا کر وہاں کے انچارج وغیرہ سے ملوں اور اس عزیزہ کے اخراجات اور ضروریات کے لیے کچھ رقم جو انہوں نے میرے ساتھ بھجوائی تھی بس وہ مجھے ان کے حوالے کرنا تھی۔ سو جب میں ان صاحب سے مل کر باہر نکلا تو مجھے کسی نے بلایا...... مقبول، مقبول بیٹا...... میں نے مڑ کر دیکھا تو اماں تھیں، ان کی حالت بہت بری تھی۔ ہڈیوں کا ڈھانچا لیکن انہوں نے مجھے پہچان لیا تھا...... پتا چلا کہ تیرہ، چودہ سال پہلے کوئی راہ گیر ... انہیں چھوڑ گیا تھا اور تب سے وہ وہاں ہی ہیں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ شروع میں تو ان کی حالت کافی خراب تھی لیکن پھر آہستہ، آہستہ بہتر ہو گئیں...... میں کوشش کر کے اماں کو اپنے ساتھ گھر لے آیا اس میں کچھ دن لگ گئے...... مجھے واپس جانا تھا اور میں اماں کو بھی اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ سو انہیں اپنی خالہ کے پاس قصور لے گیا۔ تمہارے گھر میں تو کوئی اور لوگ تھے کرایہ دار...... محلے کے ایک دو لوگوں نے بتایا تھا کہ پہلے ایک شخص کبھی کبھار آ کر ثمر حیات کی والدہ کے بارے میں پوچھتا تھا لیکن اب تو ایک دو سالوں سے وہ بھی نہیں آیا...... اماں قصور میں تھیں...... میں سال میں ایک چکر لگا لیتا تھا۔ ایک دو بار اماں سے کہا کہ انہیں تمہارے ماموؤں کے پاس لے چلوں لیکن انہوں نے جو سلوک تمہارے ساتھ کیا تھا اس کے متعلق کچھ نہ کچھ مجھے علم ہو گیا تھا، وہ میں نے اماں کو بتا دیا تھا۔ سو اماں نے انکار کر دیا...... اب تقریباً سولہ سال سے میں مستقل پاکستان میں ہوں، اماں میرے ساتھ ہیں۔ اور اماں کی خدمت کر کے مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں اپنی ماں کی خدمت کر رہا ہوں...... تمہاری بھابی سال کے چھ مہینے لندن میں رہتی ہیں...... اور چھ مہینے یہاں اس کا یہاں دل نہیں لگتا اور میرا وہاں......'' وہ زور سے ہنسا۔

''پتا نہیں اتنے سال کیسے وہاں رہا..... نبیل شکلا ہی نہیں مزاجاً بھی میرے جیسا ہے سو وہ یہاں ہی سیٹل ہو گیا ہے۔''

''مقبول..... میں تمہارا کیسے شکریہ ادا کروں.....'' ثمر حیات کی آواز میں ہی آنسو نہیں گھلے ہوئے تھے بلکہ آنکھوں سے بھی بہنے لگے تھے۔

''بکومت..... زیادہ بولا ناں تو دھپ لگاؤں گا ایسا کہ نانی یاد آجائے گی۔ بوڑھا ہو گیا ہوں تو کیا.....'' اور ثمر حیات روتی آنکھوں سے مسکرایا۔

''تیرے دھپ یاد ہیں..... سوچوں تو اب بھی کمر میں درد ہونے لگتا ہے۔''

''بیٹا تم تو فرحی کو گھر چھوڑنے گئے تھے پھر کیا ہوا تھا؟'' اماں نے جواب تک خاموشی سے اُن کی باتیں سن رہی تھیں پوچھا۔

''اماں.....'' اسے اپنے اندر اذیت کی لہریں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ خون رگوں سے گزرنے کے بجائے کرب اور اذیت کی تہوں سے گزر کر دل میں آتا محسوس ہونے لگا اور اس نے اماں کا ہاتھ پکڑ کر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنے اذیت ناک سفر کی ایک، ایک بات کہہ دی..... اتنے سالوں بعد اماں کو یوں سامنے دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گیا تھا..... ساری احتیاطیں کہیں پس منظر میں چلی گئی تھیں۔

''میرا کیا قصور تھا اماں؟'' وہ رو رہا تھا۔ ''ہم تو خانیوال جا رہے تھے۔ ہماری نیت میں تو کوئی کھوٹ نہ تھا۔ کوئی میل نہ تھا۔ ایک سیدھی سادی شفاف زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ لیکن ظالموں نے سب کچھ تباہ کر ڈالا۔ فرحی اور..... شیر خان..... اور زیتون خالہ جو روحان کو لے کر کھیتوں کی طرف بھاگی تھیں، ان کی لاش بھی مل گئی لیکن روحان نہیں مل سکا۔ آپ کا پوتا بہت پیارا تھا۔ اماں نظر لگ جانے کی حد تک اس روز اس نے سرخ ٹی شرٹ پہنی تھی اور اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ میں نے نظر لگ جانے کے خوف سے زیادہ دیر اسے نہیں دیکھا لیکن نظر تو پھر بھی لگ گئی تھی ناں.....''

اور مدثر حسن جو ثمر حیات کے واپس نہ آنے پر انہیں دیکھنے کے لیے ان کے پیچھے آئے تھے اور کھلے دروازے سے ثمر حیات کو دیکھ کر رک گئے تھے۔ خانیوال کے نام سے چونکے تھے اور باقی کی بات سنتے ہوئے ان کا دل جیسے نیچے کہیں پاتال میں گرا تھا اور سہارے کے لیے انہوں نے دیوار پر ہاتھ رکھا تھا۔ ''تو کیا رواحہ، ثمر حیات کا گم شدہ بیٹا ہے۔ ریڈ شرٹ، خانیوال، کھیتوں میں ملنے والی عورت کی لاش..... تب ہی تو عظام اور رواحہ ساتھ، ساتھ کھڑے بھائی، بھائی لگتے ہیں۔ یونیورسٹی میں اکثر سب انہیں بھائی یا کزن سمجھتے تھے۔ اور اگر رواحہ میرے پاس نہ رہا تو میں کیا کروں گا.....'' ان کا دل جیسے اور نیچے گرا تھا۔ دیوار پر رکھے ہاتھ میں کپکپاہٹ تھی۔ انہوں نے جیسے جسم کی پوری طاقت سے سانس کھینچی اور ثمر حیات کی طرف دیکھا جس کی پشت ان کی طرف تھی اور وہ بیڈ پر بیٹھی عورت کا ہاتھ تھامے اب بھی، ہولے، ہولے کچھ کہہ رہا تھا..... وہ ثمر حیات سے رواحہ کے زخمی ہونے پر پہلی بار ملے تھے وہ اتنا تو جانتے تھے کہ کسی دشمنی میں اس کی بیوی اور بیٹا مارے گئے تھے لیکن ان چند ملاقاتوں میں کبھی اس موضوع پر ان کی بات نہیں ہوئی تھی۔

''میں نے تو صبر کر لیا تھا اماں یہ سوچ کر کہ شاید کسی جنگلی جانور نے مار دیا ہو..... وہ زندہ ہوتا تو کہیں سے کوئی خبر ملتی۔ پر ایک امید اب بھی اس کی زندگی کی نوید دیتی ہے کہ وہاں خانیوال اڈے پر ایک شخص ملا تھا مجھے جو کہتا تھا کہ اس نے ایک بھلے آدمی کو لوگوں سے کسی بچے کے متعلق پوچھتے سنا تھا کہ اس روڈ پر کسی کا بچہ تو گم نہیں ہوا، اسے ملا ہے۔'' ثمر حیات کہہ رہا تھا اور باہر کھڑے مدثر حسن کا سر بری طرح چکرایا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتے چلے گئے اندر پورے وجود میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ان کے لبوں سے کراہ نکلی تھی اور تب ہی ثمر حیات نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کھلے دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھے مدثر حسن کو دیکھ کر تیزی سے ان کی طرف لپکا تھا۔

''پروفیسر صاحب...... پروفیسر صاحب......'' وہ نیچے ہی بیٹھ گیا تھا۔

''ثمر حیات صاحب......'' انہوں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''میرا دل...... میرا دل ڈوب رہا ہے۔'' ثمر حیات نے ان کے گرد اپنا بازو حمائل کیا۔

''حوصلہ کریں...... پروفیسر صاحب......'' اس نے انہیں اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ ان کے بازوؤں میں جھول گئے تھے۔

☆☆☆

لاؤنج میں خاموشی تھی۔ سب ساکت بیٹھے تھے۔ ایمل اور افنان کی آنکھوں میں بے یقینی تھی اور بابر فرسٹ فلور سے لاؤنج میں آتی سیڑھیوں میں کھڑا شعلہ بار نظروں سے عنبرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس خاموشی کو سب سے پہلے افنان نے توڑا تھا۔

''نہیں...... یہ عورت جھوٹ بول رہی ہے...... فراڈ ہے یہ۔ میرے پاپا اس طرح نہیں کر سکتے۔''

''یہ جھوٹ نہیں بول رہی افنان......'' ممی، عنبرین کے پاس ہی صوفے پر بیٹھی تھیں...... وہ کچھ دیر پہلے ہی عنبرین کے ساتھ کراچی پہنچی تھیں۔ ''اس کے پاس نکاح نامے کی کاپی ہے۔''

''نکاح نامہ جھوٹا بھی ہوسکتا ہے ممی۔'' افنان نے کمزور سا احتجاج کیا۔

''ہاں ہوسکتا ہے لیکن یہ سچ ہے کہ عنبرین کے ساتھ بابر نے ایمل کے ساتھ شادی کرنے سے پہلے شادی کی تھی اور اسے اس لیے چھپایا تھا کہ کیونکہ وہ ایمل سے بھی شادی کرنا چاہتا تھا اور اس بات کا علم تمہارے نانا کو بھی ہو چکا تھا اور چند دن پہلے مجھے بھی۔'' انہوں نے بہت تحمل سے بات کی۔

''ٹھیک ہے، پاپا نے دوسری شادی کر رکھی ہوگی...... میں مان لیتا ہوں لیکن وہ رتی کا اغوا کروا سکتے ہیں یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے...... وہ اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' افنان کا ذہن اب بھی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''جو شخص دولت کے لالچ میں اتنی بڑی سازش کر سکتا ہے اس سے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔'' انہوں نے ایک قہر آلود نظر سیڑھیوں پر کھڑے بابر پر ڈالی جو ہاتھ ریلنگ پر رکھے کھڑا تھا اور عنبرین کو ممی کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر لگنے والے شاک سے سنبھل چکا تھا۔

''یہ شاہجہان کون ہے...... اور کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ لڑکی جس کے متعلق آپ نے پاپا کے فون پر میسج پڑھا تھا وہ رتی ہی ہے۔'' افنان نے خود کو سنبھالتے ہوئے عنبرین سے پوچھا تو عنبرین نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔

''آخر آپ کو اپنی سوتیلی بیٹی سے اتنی ہمدردی کیسے ہوگئی کہ آپ اپنی پروا کیے بغیر اسے بچانے کے لیے دوڑی چلی آئیں۔'' افنان ابھی تک مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بابر ایک بار اسے مجھ سے ملانے لائے تھے۔'' عنبرین نے نظریں جھکا لی تھیں۔

''اور وہ مجھے اپنی بیٹی جیسی لگی تھی بلکہ میں نے اسے اپنی بیٹی ہی سمجھا تھا۔'' وہ خوفزدہ نظروں سے بابر کو دیکھ رہی تھی جو ریلنگ پر ہاتھ رکھے ایک، ایک سیڑھی نیچے اتر رہا تھا اور اس کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔ آخری سیڑھی سے اترتے ہوئے وہ لڑکھڑایا تھا اور اس نے سہارے کے لیے فضا میں ہاتھ پھیلایا اور پھر مضبوطی سے پاؤں جما کر کھڑا ہوگیا...... وہ اس ساری صورتِ حال سے نکلنے کے لیے دماغ لڑا رہا تھا لیکن اس کے اعصاب اپنے قابو میں نہیں تھے۔ وہ ارتقاع کو ڈھونڈنے کے بہانے سے نکلا تھا اور پھر وسیم کے ٹھکانے پر اس کے ساتھ بیٹھ کر اس نے منصوبے کی کامیابی کا جشن منایا تھا...... وہ کبھی کبھار کسی محفل میں ایک آدھ پیگ چڑھا لیتا تھا لیکن وہ عادی نہیں تھا،

اس لیے آج وسیم جیسے عادی کے ساتھ بیٹھ کر پیتے ہوئے وہ بھی کچھ زیادہ ہی چڑھا گیا تھا۔ اس نے مدثر اور ایمل سے بدلہ لے لیا تھا اور ارتقاع کی ساری پراپرٹی کا سودا کر لیا تھا۔ ساری پراپرٹی تیس کروڑ کے قریب تھی اور تقریباً آدھی رقم وہ وصول کر چکا تھا۔ وہ بہ مشکل ڈرائیو کر کے گھر پہنچا تھا اور ایمل یا افنان کی کسی بات کا جواب دیے بغیر وہ اپنے بیڈروم میں چلا گیا تھا۔ افنان اور ایمل نے اس کی اس حالت کو غم کی شدت سمجھا تھا...... وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا لیکن یہ مصیبت نازل ہو گئی...... اس نے دل ہی دل میں عنبرین کو گالی دی، یہ الگ بات تھی کہ اس کی آواز بلند تھی اور وہ مضبوطی سے پاؤں جماتا عنبرین کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''شاہجہان کون ہے بابر......؟'' ممی اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

''کون شاہجہان؟'' اس نے سر جھٹکا تھا۔

''جس کے پاس تم نے ارتقاع کو بھجوایا ہے۔'' حیرت انگیز حد تک ممی نے خود کو سنبھال لیا تھا اور اس وقت وہ بے حد سمجھدار اور بردبار لگ رہی تھیں۔ کرنل حامد زندہ ہوتے تو ضرور کہتے اب لگ رہی ہو ناں ایک کرنل کی وائف۔

''کس کے پاس......؟ یہ عورت بکواس کر رہی ہے۔'' اس نے عنبرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں اسے طلاق دیتا ہوں...... سنا تم نے میں نے تمہیں طلاق دی...... طلاق دی...... طلاق......''

''یہ...... وہ یہ کیا کہہ رہا تھا...... وہ یہ نہیں کہنا چاہتا تھا...... لیکن اس کے لبوں سے نکل گیا تھا...... اسے تو کہنا تھا کہ وہ اس عورت کو نہیں جانتا...... اس کا ذہن منتشر تھا اور وہ اپنے منتشر خیالات کو اکٹھا نہیں کر پا رہا تھا۔ ممی نے افنان کی طرف دیکھا۔

''افنان بیٹا اپنا فون مجھے دو...... یہاں کرنل صاحب کے ایک کزن کے بیٹے ایس پی عرفان صاحب ہیں۔ مجھے ان سے بات کرنی ہے...... ایف آئی آر کٹوانی ہے ارتقاع کے اغوا کی بابر کے خلاف......''

''نہیں ممی، پلیز نہیں...... پاپا ایسا نہیں کر سکتے۔'' افنان کی آواز میں بہت سارے آنسو گھلے تھے۔ باپ کا امیج ٹوٹا تھا تو وہ خود بھی جیسے ٹوٹ رہا تھا۔

''اس کا فیصلہ اب پولیس ہی کرے گی...... سچ اگلوانا انہیں آتا ہے۔ فون دو مجھے...... میرے فون کی چارجنگ ختم ہو چکی ہے۔''

بابر نے افنان سے فون جھپٹ کر لے لیا...... ایسے میں وہ پھر لڑکھڑایا تھا۔ تھانے میں سچ کیسے اگلوایا جاتا ہے...... بابر جانتا تھا۔

''یہ...... عورت...... جھوٹی ہے۔'' اس نے پھر عنبرین کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا......'' عنبرین یک دم نڈر ہوئی تھی۔ کیونکہ طلاق تو وہ دے ہی چکا تھا...... اب کیسا خوف...... ''تم جھوٹے ہو بابر نوید اور انتہائی شقی القلب اور گھٹیا بھی...... تم نے پہلے ایمل کا گھر برباد کیا اور اب اس کی بیٹی کو...... تم انسان نہیں ہو تم نے ہی رتی کو اغوا کروایا۔''

''بکواس مت کرو......'' اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ ''ہاں کروایا ہے میں نے اغوا رتی کو...... کیا کر لو گی تم میرا...... اور شاہجہان کون ہے، بتاؤں...... نائیکہ ہے...... نائیکہ......'' وہ بالکل ہی آؤٹ ہو گیا تھا۔ ''پہنچا دیا میں نے اسے وہاں اب بھائی بہن ایک ہی جگہ پہنچ گئے۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔ اس کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ غلط کہہ رہا ہے۔ اسے یہ نہیں کہنا چاہیے لیکن اسے خود پر کنٹرول نہیں تھا۔ ''برسوں پہلے دسوسے جو غلطی ہوئی تھی ناں اس غلطی کا ازالہ کر دیا میں نے...... وہ لڑکی کے بجائے لڑکا اٹھا کر لے گیا تھا اسپتال سے...... لیکن اب......'' وہ ہنسا اور بہت دیر

تک ہنستا چلا گیا۔

''بابر نوید کو ریجیکٹ کیا تھا ناں تم نے اور مدثر حسن کو ترجیح دی تھی مجھ پر تو لے لیا بدلہ میں نے...... اب بھائی، بہن کے لیے گاہک ڈھونڈے گا...... ہاہاہا......'' وہ ہنستا ہوا صوفے پر اوندھا ہو گیا۔ ممی کا منہ کھلا تھا...... اور ساکت بیٹھی ایمل کی آنکھیں جیسے پھٹنے کو تھیں۔

''کیا کہہ رہے ہو تم...... کیا ایما کا بیٹا مرا نہیں تھا؟ کیا تم نے......''

''ہاں......'' اس نے سر اٹھایا۔ ''وہ...... بھی...... اُدھر ہی...... دونوں ایک جگہ......'' اس کا سر اب پیچھے کی طرف گرا تھا...... وہ حواس کھو بیٹھا تھا...... نشہ آہستہ، آہستہ اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ افنان پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آئی ہیٹ یو پاپا...... آئی ہیٹ یو...... مجھے آپ کا بیٹا ہونے پر شرمندگی ہے۔'' بابر بے سدھ پڑا تھا اب پتا نہیں وہ ضرورت سے زیادہ پی گیا تھا یا اس میں ہی کچھ ملاوٹ تھی یا پھر اللہ نے اس راز کو اسی طرح کھولنا تھا، یہ قدرت کے کھیل تھے۔

''کاش میں آپ کا بیٹا نہ ہوتا......'' افنان یک دم روتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بھاگا تھا۔

''نہیں......'' ایمل جواب تک ساکت بیٹھی تھی یک دم چیخی۔ ''نہیں......'' اور ایک دم اٹھ کر تیزی سے لاؤنج کے دروازے کی طرف بھاگی۔

''ایما...... بیٹا......'' ممی نے اس کا ہاتھ پکڑا لیکن وہ ہاتھ چھڑا کر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

''ارفی...... ارفی......'' وہ ارتقاع کو بلا رہی تھی۔ ممی نے بے بسی سے عنبرین کی طرف دیکھا۔

''عنبرین روکو اسے...... وہ اپنے حواس میں نہیں ہے۔'' اور پھر تیزی سے افنان کے کمرے کی طرف گئیں۔ افنان نے اندر سے دروازہ لاک کر دیا تھا اور بیڈ پر بیٹھا رو رہا تھا۔

''افنان، افنان، افی میری جان دروازہ کھولو...... تمہاری ماما...... افی بیٹا انہیں سنبھالو۔'' وہ روتے ہوئے افنان کو دروازہ کھولنے کا کہہ رہی تھیں اور جب افنان دروازہ کھول کر اور بات سمجھ کر باہر آیا تو گیٹ کے باہر عنبرین پریشان سی کھڑی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ آس پاس روڈ پر کہیں کوئی نہیں تھا۔ ایمل نہ جانے کس طرف گئی تھی...... دائیں بائیں سامنے تینوں طرف راستے تھے۔ افنان ایک لمحہ رک کر سامنے کی طرف بھاگتا چلا گیا...... عنبرین وہاں ہی کھڑی رہی تھی۔

☆☆☆

رواحہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ارتقاع کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں...... اس کا فون آف تھا...... اور اس کا دل بے چین تھا۔ اس کے پاس لینڈ لائن کا نمبر بھی نہیں تھا ورنہ وہاں ہی کر لیتا...... یک دم اسے عالیہ کا خیال آیا...... شاید عظام کے پاس عالیہ کا نمبر ہو...... ایک بار عالیہ نے نہ جانے کس کام کے لیے عظام کو اپنا نمبر دیا تھا لیکن عظام اس وقت خود پریشان ہوگا...... بجل ہوش میں آجائے تو پھر وہ عظام سے پوچھے گا۔ ثمر حیات نے کچھ دیر پہلے ہی عظام کو فون کر کے بجل کی طبیعت کے خراب ہونے کا بتایا تھا...... تو عظام از حد پریشان ہو گیا تھا، مدثر حسن بھی عظام کے ساتھ اس کی گاڑی میں اسپتال چلے گئے تھے اور پتا نہیں بجل ہوش میں آئی بھی ہے کہ نہیں...... اس نے فون اٹھایا تاکہ بابا یا عظام سے بجل کے متعلق پوچھ سکے کہ فون بج اٹھا۔ دوسری طرف عظام تھا۔

''کیا ہوا عظام، بجل کو ہوش آیا؟'' اس نے کال اٹینڈ کرتے ہی پوچھا۔

''ہاں...... رواحہ، بابا کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے، تم پریشان مت ہونا...... میں اور پاپا ان کے پاس ہیں۔''

”کیا ہوا بابا کو......؟“

”بس اچانک ہی شاید دل میں کچھ تکلیف ہوئی ہے۔ ڈاکٹر چیک کر رہے ہیں...... ہوسکتا ہے ہمیں کچھ دیر ہو جائے تو تم پلیز......“

”بابا انجائنا کے پیشنٹ ہیں عظمی......“ اس کی آواز بھرّا گئی تھی۔ ”تم لوگ بجل کو کس اسپتال میں لے کر گئے تھے؟“ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

”اسی اسپتال میں جس میں تم تھے۔ میں فون کرتا رہوں گا تمہیں...... اوکے۔“ فون بند ہوگیا تو چند لمحے وہ یونہی بیٹھا رہا پھر تیزی سے اٹھا...... سلیپر پہنے اور باہر لاؤنج میں آیا۔ گاڑی کی چابی اٹھائی اور اسپتال جانے کے لیے باہر نکلا...... خدا بخش نے کچن سے نکل کر حیرت سے اسے دیکھا۔

”کہاں جا رہے ہیں آپ سب خیریت ہے ناں......؟“ وہ سر ہلاتا ہوا تیزی سے پورچ کی سیڑھیاں اتر گیا...... خدا بخش نے بھاگ کر گیٹ کھولا تھا۔

”یا اللہ میرے بابا کو کچھ نہ ہو...... اگر انہیں کچھ ہوگیا تو میں کیا کروں گا۔“ وہ ڈرائیو کرتے ہوئے مسلسل دعائیں مانگ رہا تھا۔ جب اچانک ہی بائیں طرف سے کوئی خاتون دوڑتی ہوئی روڈ کی طرف آئی تھی۔ اس نے...... بروقت بریک لگائی تھی لیکن پھر بھی ہلکی سی ٹکر لگی تھی اسے اور وہ گر گئی تھی...... رواحہ جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر اٹھا...... اور اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا بازو ہلایا تھا۔

”آپ ٹھیک ہیں ناں کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔“ خاتون کے ہونٹ ہل رہے تھے۔

”ارنی، ارنی، میری بچی...... مجھے جانے دو، مجھے اپنے بچوں کے پاس جانے دو۔“

”خاتون...... میم آنکھیں کھولیں۔“ اس نے آہستگی سے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ لیکن اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور ہونٹ بھی نہیں ہل رہے تھے۔ وہ کچھ دیر نا سمجھی سے اسے دیکھتا رہا...... اِدھر اُدھر دیکھا آس پاس کوئی نہیں تھا، وہ اٹھا اس نے بیک ڈور کھولا اور جھک کر اس خاتون کو اٹھا لیا...... بازو میں درد کی ایک لہر اٹھی۔ شاید اندر سے زخم کچا تھا۔ اس نے پچھلی سیٹ پر آرام سے اسے لٹا دیا...... وہ اسپتال تو جا ہی رہا تھا تو ان خاتون کو بھی چیک کروا لیتا...... خاتون کی بے ہوشی کی وجہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی...... بالکل ہلکی سی ٹکر لگی تھی انہیں اور بظاہر کوئی چوٹ بھی نہیں تھی۔ ایک بار پھر وہ اسی طرح ڈرائیو کرتا اسپتال کی طرف جا رہا تھا...... عظام اسے پارکنگ میں نظر آ گیا تھا۔

”عظام!“ اس نے گاڑی پارک کر کے اسے آواز دی تو عظام نے مڑ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

”رواحہ تم......؟“

”بابا کیسے ہیں؟“ وہ دروازہ کھول کر نیچے اترا۔

”بابا ٹھیک ہیں اور گھر چلے گئے ہیں۔“

”گھر چلے گئے ہیں۔“ اس نے دُہرایا۔

”ہاں، ڈاکٹر تو منع کر رہے تھے اور کچھ ٹیسٹ کروانے کو کہہ رہے تھے لیکن انہوں نے تو ای سی جی بھی نہیں کرنے دی۔ بس یہی کہتے رہے کہ چکر آ گیا تھا تو گر گیا تھا۔ پاپا انہیں چھوڑنے گئے ہیں میری گاڑی میں...... وہ تو ٹیکسی کر کے جا رہے تھے۔ بہ مشکل روکا پاپا نے کہ وہ چھوڑ آتے ہیں۔ میں پارکنگ تک آیا تھا انہیں چھوڑنے۔“ عظام نے تفصیل بتائی تو رواحہ نے ایک گہری سانس لی۔

”تمہیں راستے میں نہیں ملے؟“ عظام نے پوچھا۔

''میں دراصل شارٹ کٹ کر کے آیا تھا۔'' رواحہ نے بتایا۔ ''تجل کیسی ہے اب؟''
''ٹھیک ہے۔''
''ہوا کیا تھا؟'' اس نے پوچھا۔
''تفصیل معلوم نہیں شاید گر گئی تھی۔ چوٹ لگنے سے بے ہوش ہوگئی تھی۔'' عظام نے بتایا۔ ثمر حیات نے اسے تفصیل نہیں بتائی تھی۔
''بابا تمہیں گھر میں نہ پا کر پریشان ہو جائیں گے، تم چلو میں تجل کے پاپا کی گاڑی میں ان کے ساتھ آرہا ہوں۔''
''اوہ ہاں'' اس نے گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھا اور اسے یاد آیا کہ اس کی گاڑی میں پیچھے ایک خاتون بھی ہیں اور......
''عظام سنو......'' اس نے عظام کو تفصیل بتائی تو عظام نے بیک ڈور کھول کر خاتون پر نظر ڈالی وہ کسمسا رہی تھیں۔
''میرا خیال ہے، یہ ہوش میں آرہی ہیں۔'' وہ ان کے چہرے سے نظر ہٹا نہیں پایا تھا۔ پتا نہیں کیوں......
''ہاں اگر ہم انہیں اندر لے کر جاتے ہیں تو پہلے تو سوال و جواب...... تفتیش پھر کہیں جا کر ڈاکٹر چیک کریں گے۔ پاپا یہاں ہوتے تو سنبھال لیتے...... تمہیں یہاں دیر ہوگئی تو بابا اپ سیٹ ہو جائیں گے وہ پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہو رہے ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ انہیں گھر لے جاؤ...... بقول تمہارے معمولی سی ٹکر لگی تھی تو یقیناً خوف سے بے ہوش ہوگئی ہوں گی۔ پڑوسی ڈاکٹر نور سے چیک اپ کروا لینا اگر ضرورت محسوس ہوئی تو۔'' رواحہ کو عظام کی بات مناسب معلوم ہوئی۔ وہ عظام کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں واپس بیٹھ گیا۔ عظام کی نظریں ایک بار پھر پچھلی سیٹ پر آنکھیں جھپکتی خاتون کی طرف اٹھی تھیں اور جیسے اس بار بھی کسی ان دیکھی قوت نے اس کے دل کو جکڑ لیا تھا وہ کچھ نہ سمجھتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

☆☆☆

''بہتر تھا پروفیسر صاحب کہ آپ ٹیسٹ وغیرہ کروا لیتے...... تسلی ہو جاتی۔'' ثمر حیات نے مدثر حسن کی طرف دیکھا جو بے حد مضطرب لگ رہے تھے۔
''نہیں، میں ٹھیک ہوں...... بس وہ ایسے ہی سر چکرانے لگا تھا۔''
''پھر بھی اچھا ہوتا سر چکرانے کی وجہ معلوم ہو جاتی۔'' ثمر حیات بھی کچھ بے چین لگ رہے تھے۔ برسوں سے بچھڑی ماں اسپتال کے ایک کمرے میں ان کی راہ دیکھ رہی ہوں گی۔ ابھی تو بیتے برسوں کا پورا احوال بھی انہوں نے نہیں کہا تھا۔ وہ مدثر حسن صاحب کو چھوڑ کر واپس جانا چاہتے تھے لیکن پھر ان کی بے چینی اور بے قراری دیکھ کر وہ رواحہ کے آنے تک رک گئے تھے۔
''وہ رواحہ...... رواحہ نہیں آیا ابھی تک...... کہاں رہ گیا ہے۔'' مدثر حسن نے جیسے خوف سے کہا۔
''میری بات ہوئی ہے عظام سے آرہا ہے وہ۔'' ثمر حیات نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔
''وہ رواحہ......'' مدثر حسن نے ثمر حیات کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں کے پپوٹے شدتِ گریہ سے سوجے ہوئے تھے۔ اور دل کا درد ان کی آنکھوں سے جھلکتا تھا۔ مدثر حسن کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا...... یہ درد جوان کی آنکھوں میں ٹھہرا ہوا تھا اور جو برسوں بعد ملنے والی ماں سے ملنے کے بعد بھی یوں ہی ان خوب صورت آنکھوں میں جامد تھا...... وہ اس درد سے نا آشنا تو نہیں تھے۔ پچھلے تیس سالوں سے یہ درد، ان کے دل کا بھی مکین تھا...... جیتے جی اپنی اولاد سے بچھڑنے کا دکھ...... اس کے متعلق کچھ نہ جاننے کی اذیت...... ''اور کیا مجھے حق ہے کہ میں حقیقت جان لینے کے باوجود اس اپنے سامنے بیٹھے شخص کو اس درد اس اذیت سے نہ بچاؤں...... یہ اتنا اچھا شخص جو اپنی ماں کو چھوڑ کر محض مروت میں میرے پاس بیٹھا ہے...... لیکن حقیقت بتا دینے کے بعد کیا ہوگا......'' ان کے دل پر جیسے

کوئی ضربیں لگا رہا تھا اور ہر ضرب پر ان کا دل ڈوب کر ابھرتا تھا۔ بس اکیس سالوں سے اپنے بیٹے کے لیے تڑپتے اس شخص کی تڑپ کو وہ کم کر سکتے تھے۔ بس ذرا سے حوصلے، ذرا سی ہمت کی ضرورت تھی...... رواحہ، ثمر حیات کا گم شدہ بیٹا تھا اس میں شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

''ثمر حیات صاحب......'' انہوں نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''میں رواحہ سے بہت محبت کرتا ہوں، مجھے لگتا ہے میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا...... اس تصور سے ہی میرا دل میرا ساتھ چھوڑنے لگتا ہے کہ اگر رواحہ مجھ سے جدا......''

''کیسی بات کر رہے ہیں پروفیسر صاحب، خدانخواستہ رواحہ آپ سے کیوں جدا ہونے لگا۔'' ثمر حیات نے ان کی بات کاٹی تو مدثر حسن نے بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

''ثمر حیات صاحب، میں آپ کا دکھ محسوس کر سکتا ہوں۔ جس کرب سے آپ گزر رہے ہیں...... میں نے بھی اس کرب کو اپنے دل پر جھیلا ہے۔''

ثمر حیات نے بے حد حیرت سے انہیں دیکھا۔ ''پتا نہیں یہ مدثر حسن صاحب کس دکھ کی بات کر رہے ہیں۔ شاید جب وہ اماں سے بات کر رہے تھے تو انہوں نے کچھ سنا ہو۔''

''کوئی مرجائے تو صبر آجاتا ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولتے جا رہے تھے۔ ''لیکن کوئی جیتے جی بچھڑ جائے تو اس اذیت کو تو وہی جان سکتا ہے جس نے اس درد کو سہا ہو...... اور میری راتیں میرے آنسوؤں کی گواہ ہیں۔''

ثمر حیات نے ان کی بات سمجھے بغیر ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ مدثر حسن کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے تھے۔ نہ ہی کبھی رواحہ سے کوئی تفصیل سے بات ہوئی تھی نہ عظام نے کبھی کچھ بتایا تھا۔ ''مدثر حسن بھی کیا ان کی طرح اولاد کی جدائی کا دکھ سہہ رہے ہیں۔''

''رواحہ مجھے بہت پیارا ہے۔ اسے خود سے جدا کرنا اپنا دل اپنے ہاتھوں نوچ کر پھینک دینا ہے۔'' ان کی نم آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ان کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ ثمر حیات نے ان کے ہاتھوں پر اپنی گرفت مضبوط کی۔

''میں آپ کے دکھ کو ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں جیسا آپ سہہ رہے ہیں۔'' ثمر حیات نے الجھ کر انہیں دیکھا انہیں مدثر حسن کی گفتگو بہت بے ربط لگ رہی تھی۔

''میں ایک تڑپتے ہوئے باپ کو صرف اپنے لیے اس کے بیٹے سے دور نہیں رکھ سکتا ثمر حیات صاحب...... آپ جب اپنی والدہ کو اپنے بیٹے کے متعلق بتا رہے تھے تو میں نے وہ سب سن لیا تھا۔ میں تو بھول چکا تھا کہ رواحہ کسی اور کے چمن کا پھول ہے جسے قدرت نے محض کچھ عرصے کے لیے مجھے سونپا تھا۔ رواحہ ہی آپ کا بیٹا ہے...... اس رات میں اور خدابخش خانیوال سے واپس آرہے تھے۔'' وہ ہولے، ہولے سب کچھ بتا رہے تھے اور ثمر حیات ایک عجیب سی کیفیت میں گھرے سن رہے تھے۔

''میں نے بہت نیک نیتی کے ساتھ رواحہ کے والدین کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن مجھے کراچی آنا تھا......'' اور انہوں نے کراچی آنے سے پہلے تک کی مزید تفصیل بتائی تو ثمر حیات نے ان کے ہاتھ چھوڑ کر...... بے اختیار انہیں گلے لگا لیا اور بہت دیر تک اپنے ساتھ بھینچے رہے۔

''رواحہ آپ کا ہی ہے پروفیسر صاحب...... ہمیشہ آپ کا ہی رہے گا۔ میرے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ وہ ہے۔ میں نے اسے دیکھ لیا، پالیا...... میں تو آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے رواحہ کو محبت دی، تحفظ دیا اور......'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس نے آہستگی سے انہیں الگ کیا۔ مدثر حسن کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ دونوں رو رہے تھے، مسکرا رہے تھے اور اپنے آنسو پونچھ رہے تھے۔

''میرا دل یونہی تو نہیں کھنچتا تھا رواحہ کی طرف...... جب، جب میں اس سے ملتا تھا تو میرے لیے اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا۔''

ثمر حیات بیٹھ گئے تھے۔ اب مدثر حسن کے ساتھ وہ بھی رواحہ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے۔ آج اللہ نے انہیں ایک ساتھ دو خوشیوں سے نوازا تھا۔

''نہیں ثمر حیات اگر آپ چاہیں تو رواحہ کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ برسوں کی تشنگی یوں لمحوں میں تو نہیں مٹتی۔''

''میں نے تو اپنا عظام بھی آپ کے حوالے ہی کر دیا ہے۔'' ثمر حیات دل سے ہنسے لیکن پھر یکا یک انہیں مدثر حسن کی کچھ دیر پہلے کہی ہوئی بات یاد آئی۔

''ابھی آپ نے کہا تھا کہ آپ نے بھی یہ درد سہا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو......''

''خدا بخش کے سوا کوئی میرے دل کا درد نہیں جانتا ثمر حیات صاحب۔'' ان کی آنکھوں سے کرب جھلکنے لگا۔ ''آج پہلی بار آپ کے سامنے دل بوجھل ہو کر چھلک پڑا...... بہت لمبی کہانی ہے...... میری ایک بیٹی ہے جسے تیس سال پہلے میں نے آخری بار دیکھا تھا۔'' تب ہی ان کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور رواحہ اندر داخل ہوا۔ انہیں اپنی باتوں میں بیل کی اور گیٹ کھلنے کی آواز نہیں آئی تھی۔

''السلام علیکم بابا...... یہ چیٹنگ ہے، لگتا ہے آپ اپنی تیمارداری کروانا چاہتے ہیں۔'' ثمر حیات بہت اشتیاق سے اسے دیکھ رہے تھے۔ آج ان کے دیکھنے کا انداز اور تھا اور وہ ایک باپ کی نظر سے اسے دیکھ رہے تھے...... بے اختیار ان کا جی چاہا کہ وہ اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیں۔ یہ اتنا شاندار اتنا پیارا لڑکا ان کا خون تھا، ان کا بیٹا...... جس کے لیے فرحی نے سالوں دعائیں مانگی تھیں۔

وہ اپنے اندر کے جذبے سے مغلوب ہو کر یک دم کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنے بازو پھیلائے۔ رواحہ حیران سا ان کے بازوؤں میں سمٹ آیا۔

''جانِ جگر ہم تمہارے بابا کو بیمار نہیں ہونے دیں گے۔'' زور سے بھینچ کر انہوں نے اسے خود سے الگ کیا۔ اگرچہ جی چاہ رہا تھا کچھ دیر اور اسے یونہی اپنے بازوؤں میں لیے رہیں۔ رواحہ نے ان سے الگ ہو کر پیچھے دیکھا...... اور پھر دروازے کے پاس آ کر کسی کو آواز دی۔

''خاتون بس چند منٹ، میں ذرا اپنے بابا کا حال احوال پوچھ لوں تو آپ جہاں کہیں گی چھوڑ دوں گا...... پلیز کچھ دیر آ کر بیٹھ جائیں۔'' بات کر کے وہ مدثر حسن کی طرف مڑا۔

''بابا یہ خاتون میری گاڑی سے ٹکرا......'' لیکن مدثر حسن نے تو شاید اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ وہ تو کمرے کے اندر آتی بے حال سی خاتون کو دیکھ رہے تھے جس کی آنکھوں میں وحشت سی تھی۔

''چندا......'' ان کے لبوں سے گھٹی ہوئی سی آواز نکلی تھی۔ انہیں اسے پہچاننے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی تھی۔ وہ آج بھی اتنی ہی دلکش، اتنی ہی خوب صورت تھی۔ لگتا تھا جیسے ماہ و سال اسے چھوئے بغیر گزر گئے تھے۔

''مدثر......'' اسے پہچاننے میں ذرا سا وقت لگا تھا اور وہ تیزی سے ان کے بیڈ کے قریب آئی۔

''مدثر......'' اس کے لبوں سے پھر نکلا تھا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''مجھے معاف کر دو مدثر...... میں نے تمہیں غلط سمجھا...... تمہارا اعتبار نہیں کیا...... تمہاری بات نہیں سنی...... مجھے تمہارا دل دکھانے کی بہت بڑی سزا ملی ہے...... بہت بڑی......''

''کیا مجھ سے بھی بڑی سزا چندا......'' ان کی آنکھوں سے جیسے خون ٹپکنے لگا تھا۔

''میں تیس سالوں سے جس آگ میں جل رہا ہوں تم اس کی تپش کا اندازہ کیسے کر سکتی ہو۔ تمہارے پاس اپنا

گھر ہے، شوہر ہے شاید بچے بھی ہوں گے لیکن میں، تم نے مجھ سے میری بیٹی بھی چھین لی...... میں اسے دیکھنے کو ترستا ہوں...... مجھے تو اس کا نام تک نہیں معلوم......''

یہ الفاظ نہیں تھے انگارے تھے جو اس کے دل پر گر رہے تھے اور وہ اسی طرح ہاتھ جوڑے کھڑی تھی اور آنسو اس کے رخساروں کو بھگوتے جا رہے تھے۔

''تم نے اور تمہارے شوہر نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا۔''

''میری بیٹی......'' ان کی سسکی نکل گئی۔

''وہ کیسی ہے...... تم ایک بار صرف ایک بار مجھے اس سے ملوا دو۔'' وہ التجا کر رہے تھے...... رواحہ اور ثمر حیات حیرت سے سب سن اور دیکھ رہے تھے۔ غیر ارادی طور پر ثمر حیات نے رواحہ کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا تھا۔

''بابر نے ہماری بیٹی کو اغوا کروالیا ہے۔'' وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیڈ کے پاس بیٹھ گئی تھی اور زار و قطار روتے ہوئے وہ سب کچھ بتا رہی تھی جس کا علم خود اسے بھی آج سے پہلے نہ تھا۔ وہ کسی پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت بیٹھے سن رہے تھے۔

''اس عورت کا نام شاہجہان ہے جو شاید کوئی بری عورت ہے اور ہمارے بیٹے کو بابر نے اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اب ارفی کو بھی...... پتا نہیں ہمارا بیٹا زندہ بھی ہے یا نہیں اور پتا نہیں ہماری بیٹی۔'' اب وہ چیخیں مار، مار کر رونے لگی تھی۔ بیڈ کی پٹی سے سر مار رہی تھی۔ ثمر حیات جو شاہجہان کے نام پر چونکے تھے ساری صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کی نظر مدثر حسن کے سفید پڑتے چہرے پر پڑی تو رواحہ کے گرد سے بازو ہٹا کر مدثر حسن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''حوصلہ کریں پروفیسر صاحب......''

''آخر اس بابر نوید کو ہم سے کیا دشمنی تھی چندا......'' مدثر حسن، چندا کو دیکھ رہے تھے اور ان کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی۔

''بابر نوید......'' ثمر حیات نے زیرِ لب دُہرایا۔

''ایک امیر زادہ تھا بابر نوید...... وہی کسی دشمن کا بچہ اٹھا کر پھینک گیا تھا اِدھر......'' شاہجہان بیگم کا کہا جملہ جیسے ان کی سماعت میں گونجا۔ ''تو عظام...... یعنی عظام......'' ایک حیرت نما خوشی ان کے اندر رقص کر رہی تھی۔ انہوں نے نظر اٹھا کر اس روتی کرلاتی عورت کی طرف دیکھا جس کے نقوش پتا نہیں کیوں انہیں مانوس سے لگے تھے۔

''خدا کے لیے مدثر ہماری بیٹی کو بچالیں۔ اس شاہجہان نامی عورت کو ڈھونڈ لیں۔ آپ کو اللہ کا واسطہ...... وہ صرف میری نہیں آپ کی بھی بیٹی ہے۔'' مدثر حسن نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ یہ عورت جو اُن کے دل کے بہت قریب تھی۔ شاید اب بھی تھی۔ وہ اس کے آنسو نہیں پونچھ سکتے تھے۔ اس کو گلے لگا کر تسلی نہیں دے سکتے تھے۔ وقت نے ان کے درمیان کتنے فاصلے پیدا کر دیے تھے۔ وہ عجیب سی کیفیت میں گھرے بیٹھے تھے وہ بیٹا جسے وہ مردہ سمجھتے تھے چندا اس کی زندگی کی نوید دے رہی تھی لیکن وہ خود بھی بے خبر تھی اور بیٹی...... ان کا جی چاہا وہ قسمت کی اس ستم ظریفی پر دھاڑیں مار، مار کر روئیں۔ تب ہی ثمر حیات نے ان کے کندھے پر رکھا ہاتھ اٹھایا۔ اور روتی بلکتی چندا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''دعا کرو بیٹی، اپنی بچی کی عزت و آبرو اور زندگی کے لیے...... وہ رحمان اور رحیم ضرور آپ کی دعا سنے گا۔ انشاءاللہ...... آپ کے بچوں کو آپ سے ضرور ملائے گا۔'' اور پھر اس نے مدثر حسن کی طرف دیکھا۔

''میں ابھی دس پندرہ منٹ میں آتا ہوں۔ انشاءاللہ آپ کے لیے کوئی خوشخبری لے کر آؤں گا۔''

آج شاید انکشافات کا دن تھا، الجھنیں سلجھ رہی تھیں۔ انہوں نے الجھے ہوئے پریشان سے رواحہ کو دیکھا۔ یقیناً یہ انکشاف اس کے لیے پریشان کن رہا ہوگا۔ وہ بہت سی باتیں نہیں جانتا ہوگا۔ انہوں نے اندازہ لگایا اور بے حد شفقت اور محبت سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''رواحہ بچے اپنے بابا کا بہت خیال رکھنا اور دعا کرنا کہ میں تمہارے بابا کا کلیجا ایسے ہی ٹھنڈا کر سکوں جیسے آج انہوں نے میرا کیا ہے۔'' اپنی بات کر کے وہ رکے نہیں تھے، تیزی سے باہر نکل گئے تھے اور سڑک کراس کر کے تیزی سے شاہجہان کے گھر کی طرف بڑھے تھے۔ گیٹ پر کھڑے شیدے اور ظہورے کو نظر انداز کر کے لاؤنج کے دروازے کو دھکیلتے اندر داخل ہوئے۔ شاہجہان بیگم کے گھر کے لاؤنج میں اس وقت خوشی رقص کر رہی تھی۔ جلیل خان، بجل کو اپنے پاس صوفے پر بٹھائے ہوئے تھا۔ گاہے گاہے اس کی طرف دیکھتا تو لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوتی۔ واہ جلیل خان تم ہمیشہ شادی شدہ زندگی کی ذمے داری سے بھاگے پھرے لیکن اللہ نے تمہیں اس عمر میں ایک بیٹی کی ذمے داری سونپ دی۔ شاید زندگی میں کہیں اس نے کوئی نیکی کی تھی جو اللہ نے اس کی بیٹی کو محفوظ رکھا ورنہ اگر جلیل خان کی بیٹی کے پاؤں میں گھنگرو بندھ جاتے تو جلیل خان تو مارے غیرت کے اسی وقت مر جاتا جب اسے خبر ہوتی۔ اور اس کے لیے وہ شاہجہان کا ممنون تھا اس عورت نے خود گندگی میں رہتے ہوئے اس کے ساتھ کیا وعدہ نبھایا تھا۔ بجل کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور لبوں پر شرمگیں سی مسکراہٹ بجی ہوئی تھی اور وہ چوری، چوری کبھی اپنے قریب بیٹھے اس بارعب سے شخص کو دیکھتی جو اس کا باپ تھا اور کبھی سامنے بیٹھے عظام کو...... اور جلیل خان کے ساتھ بات کرتے، کرتے عظام کی نظریں بھٹک، بھٹک کر بجل کے چہرے پر جا ٹھہرتیں۔ اور پھر سنہری کے کھنکھارنے پر فوراً وہ اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیتا اور شریر نظروں سے اسے دیکھ کر سنہری پاس بیٹھی موتیا کے کان میں جھک جاتی۔

''یعنی اب ہم بھی...... بیگمات بن کر گھر میں رہیں گی بجو کے باپ کے طفیل...... ہائے موتیا مجھے ذرا زور سے چٹکی تو کاٹ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی...... ہائے کیا سچ مچ ہماری بجو کا بیاہ ہوگا...... اماں کہتی ہیں مہندی، ابٹن، مایوں، ڈھولکی سب کرنا ہاں تو......'' اس نے ذرا سی گردن اکڑا کر سامنے دیکھا تو حاتی دادا کو لاؤنج کے دروازے میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئی...... اس کے چہرے پر عجیب پتھریلی سی سنجیدگی تھی۔

عین اسی لمحے شاہجہان کی نظریں بھی اٹھی تھیں اور اس کی سحر انگیز آنکھوں سے الجھی تھیں۔ آج ان کی آنکھوں کا رنگ کچھ اور تھا۔ اس نے فوراً ہی نظریں جھکا لیں...... لیکن اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''دادا تم......''

''ارے ثمر حیات، اچھے وقت آئے اس وقت ہم بجل اور عظام کے نکاح کی تاریخ کے متعلق بات کر رہے تھے۔'' جلیل خان نے مڑ کر اسے دیکھا۔ عظام یک دم کھڑا ہو گیا۔

''پاپا...... سب ٹھیک ہے ناں، بابا، رواحہ۔'' لیکن ثمر حیات نے کسی کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں جیسے شاہجہان بیگم کے اندر اترتی جا رہی تھیں۔ شاہجہان کو اپنے اندر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''شاہجہان بیگم...... وہ لڑکی کہاں ہے جسے بابر نوید نے تمہیں بھجوایا ہے۔''

''وہ لڑکی......؟'' شاہجہان بیگم نے تھوک نگلی۔

''اوپر ہے......'' وہ حاتی دادا سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

''بلواؤ اسے......''

''موراں......'' شاہجہان بیگم نے موراں کو بلایا۔

''جاؤ نئی لڑکی کو نیچے لے آؤ...... خدا کی قسم دادا بابر خود......''

''بس......'' ثمر حیات نے ہاتھ ذرا سا بلند کیا......اور نگاہیں شاہجہان کے چہرے سے ہٹالیں اور سیڑھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد موراں سیڑھیوں پر نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ جو لڑکی تھی اس کے بال بکھرے ہوئے تھے آنکھیں رو، رو کر سوج چکی تھیں۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی تھیں۔

''رتی......'' عظام کی نظریں اس پر پڑیں تو وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ ارتفاع نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور موراں کا ہاتھ چھڑا کر بھاگتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی۔

''عظام، عظام تم مجھے لینے آئے ہو......رواحہ کہاں ہے......مجھے جلدی سے لے چلو......انہوں نے مجھے یہاں بند کر دیا تھا۔ اور یہ عورت......؟'' اس نے موراں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ کہتی ہے میرے پاپا نے مجھے یہاں بھجوایا ہے......بھلا وہ۔'' وہ رونے لگی تھی اور اس نے عظام کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور کہہ رہی تھی۔

''مجھے گھر لے چلو عظام پلیز جلدی کرو......پاپا اور امی بہت پریشان ہوں گے۔''

ثمر حیات نے ایک گہری سانس لی۔ انہوں نے اسے پہچان لیا تھا۔ اسے انہوں نے اسپتال میں دیکھا تھا اور عظام نے اس کا تعارف کروایا تھا۔

ثمر حیات چند قدم چل کر عظام کے قریب آیا اور اس نے ارتفاع کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''آؤ بیٹی......تمہارے ماما، پاپا تمہارے لیے بہت پریشان ہو رہے ہیں......اور عظام تم بھی آؤ......'' پھر وہ شاہجہان بیگم کی طرف مڑا۔

''شاہجہان بیگم میں اسے لے کر جا رہا ہوں۔''

''ہاں، ہاں دادا لے جاؤ۔ میں تو بس خود ہی اسے واپس بھجوانے والی تھی وہ تو میں نے سوچا تھا چلو بڑھاپے......'' اور ثمر حیات اس کی پوری بات سنے بغیر جلیل خان پر ایک معذرتی نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

''اب کیا ہوگا موتیا......؟'' سنہری کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اور وہ ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا اب ہماری سجو کی شادی نہیں ہوگی، وہ عظام کا باپ تو اسے لے گیا......ہائے، ہماری کھوٹی قسمت......''

''چپ......'' جلیل خان نے ایک قہر آلود نظر اس پر ڈالی اور اور سہمی ہوئی سجل کے گرد ایک بازو حمائل کر کے اسے گویا خاموشی کی زبان میں تسلی دی اور ناگواری سے شاہجہان کی طرف دیکھا اور شاہجہان ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ہولے، ہولے اسے ارتفاع کے متعلق بتانے لگی۔

☆☆☆

اس وقت جلیل خان کے شاندار ڈرائنگ روم میں رونق سی لگی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے عظام اور سجل کا نکاح ہوا تھا۔ جلیل خان نے چھوٹی سی یہ تقریب گھر پر ہی رکھی تھی۔ باہر لان میں کھانے کا انتظام ہو رہا تھا......گو زیادہ افراد نہیں تھے پھر بھی جلیل خان نے شاندار انتظام کروایا تھا......سب خوش گپیوں میں مصروف تھے......عظام، رواحہ اور افنان ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ثمر حیات، مدثر حسن اور مقبول بٹ ایک صوفے پر بیٹھے تھے۔ ایمل، عنبرین اور ایمل کی ممی ایک طرف بیٹھی تھیں۔ سنہری اڑی، اڑی پھر رہی تھی۔ موتیا، سجل کو تیار کر رہی تھی۔ ثمر حیات کی والدہ بھی مقبول بٹ کی بہو کے ساتھ بیٹھی ہوئی محبت پاش نظروں سے کبھی ثمر حیات کی طرف دیکھتیں اور کبھی ان کی نظریں رواحہ کی بلائیں لیتیں۔ ثمر حیات کو اپنے دل پر بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا سب کچھ اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا۔ شاید اس لیے رواحہ اور اماں کا ملنا......عظام کے والدین کے متعلق پتا چلنا اور پھر یہ انکشاف کہ ایمل، فرحی کی بھتیجی ہے تب ہی تو اسے ایمل کی شکل مانوس سی لگی تھی وہ فرحی سے بہت مشابہ تھی......اور عظام اور رواحہ کی مشابہت بھی اب سمجھ میں آگئی تھی۔ فرحی اور

ایمل کی آنکھیں تو بالکل ایک جیسی تھیں ہی اور ان دونوں نے ہی اپنی، اپنی ماں سے ورثے میں لی تھیں۔ کل شام جب فرحی کا ذکر کرتے ہوئے اس نے کرنل حامد اور ان کے والد کا ذکر کیا تھا تو ایمل کی ممی چونکی تھیں اور تب انہوں نے اعتراف کیا تھا اور معذرت چاہی تھی کہ ان کی وجہ سے فرحی گھر نہیں آسکی تھی۔ انہوں نے کرنل حامد کی وصیت کے متعلق بھی بتایا تھا۔ ان سارے انکشافات نے ثمر حیات کو اندر سے ہلا سا دیا تھا...... اس نے رواحہ کی طرف دیکھا جو عظام کی طرف تھوڑا سا جھکا نہ جانے کیا سرگوشیاں کر رہا تھا اور اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں...... "چلو اچھا ہے خدانخواستہ مجھے کچھ ہو گیا تو عظام میرے بعد اکیلا نہیں ہوگا۔ اتنے سارے رشتے مل گئے ہیں اسے......" انہیں پہلا خیال عظام کا آیا تھا اور پھر انہوں نے رواحہ کے متعلق سوچا تھا۔ "رواحہ کو بھی تو اس کا ننھیال مل گیا ہے۔ ددھیال میں تو بس اماں ہی ہیں۔" اس نے اماں کی طرف دیکھا ان کی بوڑھی آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی اور وہ پاس بیٹھی ارتفاع سے جو ابھی آکر بیٹھی تھی کچھ کہہ رہی تھیں...... اور ارتفاع کے رخساروں پر لالی بکھری ہوئی تھی اور پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ اب پتا نہیں اماں، ارتفاع سے کیا کہہ رہی ہیں...... رواحہ نے تو چند دنوں میں ہی دادی سے خوب دوستی گانٹھ لی تھی۔ شاید رازِ دل بھی کہہ دیا ہو۔ ثمر حیات کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی...... شکر ہے رواحہ اور عظام نے اس پیاری تبدیلی کو خوش دلی سے قبول کر لیا تھا۔ اگرچہ یک دم شاک تو لگا تھا دونوں کو لیکن جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ البتہ ارتفاع کافی اپ سیٹ رہی تھی اس کے لیے یہ قبول کرنا خاصا مشکل تھا کہ بابر نوید اس کا سگا باپ نہیں ہے تاہم اب وہ سنبھل چکی تھی۔ سب ہی اپنی، اپنی جگہ کسی نہ کسی حد تک متاثر ہوئے تھے...... وہ، جلیل خان، مدثر حسن اور افنان بھی انہوں نے رواحہ اور عظام کے پاس بیٹھے افنان کو دیکھا جو بے حد سنجیدہ اور کچھ اداس سا لگ رہا تھا۔ افنان نے اسی وقت نظریں اٹھائی تھیں اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر فوراً جھکا لی تھیں۔ وہ کسی سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے اس خوب صورت وجیہہ بھائی سے بھی نہیں۔ وہ اپنے باپ کے کیے پر شرمندہ تھا اور سوچتا تھا شاید وہ ساری زندگی ارتفاع، عظام اور ایمل سے نظر نہیں ملا سکے گا۔ بابر نے جو کچھ کیا تھا وہ بھولنے والا ہرگز نہیں تھا۔

اس رات بابر کو صوفے پر مدہوش چھوڑ کر وہ ایمل کی تلاش میں چلا گیا تھا۔ گھنٹوں مارا، مارا پھرنے کے بعد جب وہ آیا تھا تو بابر وہاں نہیں تھا اور صبح نازو نے بتایا تھا کہ وہ ایک بڑا اٹیچی کیس اور بیگ لے کر صبح، صبح گھر سے نکل گیا تھا۔ اور آج اس نے کئی بار اسے کال کی تھی لیکن اس نے کاٹ دی تھی...... پھر اس کا میسج آیا تھا کہ وہ ملک سے باہر جا رہا ہے اور ائر پورٹ پر وہ اس کا انتظار کرے گا اور اس وقت جب وہ یہاں اپنے بھائی کے نکاح میں شرکت کے لیے آیا ہوا ہے اس کا باپ اس ملک کو شاید ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہا تھا اور آج سے چند دن پہلے تک اسے اپنے باپ سے بہت محبت اور عقیدت تھی، فخر تھا اور آج وہ شرمندہ تھا۔

"کیسے بھائی ہو، بھائی کے نکاح کے موقع پر منہ لٹکائے بیٹھے ہو۔" رواحہ نے یک دم ہی اس کی طرف تھوڑا سا جھکتے ہوئے کہا تو اس نے یک دم ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

"نہیں...... نہیں تو......"

"فکر نہ کرو بیٹا تمہارے لیے ہم سجل سے بھی پیاری دلہن لائیں گے۔"

"بھلا سجل سے پیاری دلہن کہاں ملے گی آپ کو......؟" سنہری نے موتیا کے ساتھ آتی سجل کو دیکھا۔

"مل جائے گی بہنا بس تلاش صادق ہونی چاہیے اور ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔" رواحہ، افنان کا کندھا تھپک رہا تھا اور سنہری لفظ "بہنا" کی حلاوت میں کھوسی گئی تھی۔ بہنا... بھلا اس سے پہلے یہ لفظ کب کسی نے اس کے لیے استعمال کیا تھا۔ سب سجل کو دیکھ رہے تھے۔ عظام بے اختیار کھڑا ہوا تھا۔ کئی لبوں سے ایک ساتھ ماشاءاللہ...... نکلا تھا۔ ایمل نے یک دم اس کے قریب آکر اس کی پیشانی چومی تھی اور عظام کی پیشانی چومتے ہوئے جھجک سی

گئی تھی۔ یہ اس کا بیٹا تھا اسے اس نے جنم دیا تھا لیکن جنم دینے کے بعد سے لے کر اب تک اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسے گود میں نہیں کھلایا تھا۔ راتوں کو اس کے لیے جاگی نہیں تھی۔ اس کا پہلا لفظ، پہلا قدم کچھ بھی تو نہیں دیکھا تھا اس نے اور اب یک دم وہ اتنا بھرپور جوان ہو کر اس کے سامنے آیا تھا کہ جھجک فطری تھی۔

افنان جھینپا، جھینپا سا بیٹھا تھا جب رواحہ نے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھالیا اب وہ دونوں بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ سنہری چونک کر تالیاں بجاتے ہوئے گانے لگی تھی۔ مقبول بٹ جواب تک نہ جانے کیسے خاموش بیٹھا تھا اس نے اٹھ کر ثمر حیات کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا درمیان میں لے آیا۔ اور اپنی مخصوص پنجابی میں بولا۔

''یہ تو کوئی گل ہی نئیں جے منڈے دا پیو نہ نچیا۔'' (یہ تو کوئی بات نہیں جو لڑکے کا باپ نہ ناچے۔)

ثمر حیات نے جس طرح کی لمف اور سخت زندگی گزاری تھی اس زندگی میں بھلا ایسی باتوں کی گنجائش کہاں تھی۔ اس نے گھبرا کر مدثر حسن کی طرف اشارہ کیا تو مقبول بٹ اسے بھی کھینچتا ہوا لے آیا...... اب وہ چاروں دائرے میں بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ سنہری کے ساتھ موتیا، ارتفاع اور عنبرین بھی شامل ہو گئی تھیں اور تالیاں بجا بجا کر گا رہی تھیں۔ مدثر حسن کو یک دم اپنی مہندی والی رات یاد آگئی جب زبردستی سب نے اسے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا اور اب رواحہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا، وہ عظام کو بھی لے آیا تھا۔ دل کے اندر درد کی ایک لہر سی اٹھی تھی...... وقت کتنا بدل گیا تھا وہ تو چندا کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہے تھے اور وہ بھی ذرا اوٹ میں بیٹھی تھی۔

وقت نے ان کے درمیان ایسے فاصلے پیدا کر دیے تھے کہ جو کبھی پاٹے نہیں جا سکتے تھے...... انہوں نے شکوہ کناں نظروں سے ممی کے پاس خاموش بیٹھی چندا کی طرف دیکھا اور آہستگی سے دائرے سے باہر نکل کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ چندا کی بے اعتباری نے ان کی پوری زندگی جلا کر راکھ کر ڈالی تھی۔ بابا جان کتنا صحیح کہتے تھے کہ گھر بنانے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ باہمی اعتماد ہوتا ہے۔ دو افراد کو صرف ایک چیز جوڑے رکھتی ہے اور وہ میاں، بیوی کا ایک دوسرے پر اعتماد ہوتا ہے۔ چندا نے اس سے محبت تو کی تھی پر اس کی وفا پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر انہوں نے سر اٹھایا۔ مقبول بٹ قہقہے لگا رہا تھا اور ثمر حیات کا ہاتھ پکڑے ناچ رہا تھا۔ رواحہ، افنان، عظام بھی لڈی ڈال رہے تھے...... انہوں نے تشویش سے رواحہ کو دیکھا اور بے اختیار بلایا۔

''رواحہ بیٹا بس کرو، ابھی تمہارے زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوئے۔'' ثمر حیات نے مدثر حسن کی تشویش کو دیکھا اور مسکرا دیے۔ بھلا مدثر حسن سے زیادہ رواحہ سے کون محبت کر سکتا ہے۔ اور ان کا رواحہ یقیناً خوش قسمت ہے۔

''زخم مندمل ہونے میں کون سی دیر لگتی ہے، ہو جائیں گے لیکن بھائی کی شادی پھر نہیں ہو گی۔'' ناچتے، ناچتے مقبول بٹ نے مڑ کر مدثر حسن کی طرف دیکھا۔

''کچھ زخم شاید کبھی مندمل نہیں ہوتے۔'' مدثر حسن نے زخمی نظروں سے ایمل کو دیکھا۔

''بھائی......'' عظام نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے شرارت سے رواحہ کو گھورا۔

''یہ رشتے میں میرا ماموں لگتا ہے۔ میری ماما کا پھوپی زاد کزن جو ہوا۔''

''اور ماموں ہونے کے ناتے مجھے یہ سرٹیفکیٹ مل چکا ہے کہ جب چاہے تمہارے کان کھینچ سکتا ہوں۔'' رواحہ نے اس کا کان کھینچا...... تب ہی جلیل خان اندر آئے دلچسپی سے مقبول بٹ کو چند لمحے دیکھتے رہے جو ابھی اکیلا ہی تھرک رہا تھا۔ اگرچہ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ ثمر حیات نے جلیل خان کو دیکھا اور مقبول بٹ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اوئے انگلینڈ پلٹ اب بس کر، کہیں ایمبولینس ہی نہ منگوانی پڑے۔''

''یار اپنی شادی میں ناچنے کی حسرت ہی رہ گئی تھی۔ ماموں وہاں پہنچتے ہی اسلامی مرکز پکڑ کر لے گئے اور نکاح پڑھوا دیا۔'' وہ برا سا منہ بناتا ہوا بیٹھ گیا تو جلیل خان نے سب کو کھانے کے لیے اٹھنے کو کہا۔

''ایک منٹ......'' ثمر حیات نے جو ابھی تک کھڑا تھا ہاتھ اٹھا کر کہا......اور پھر آہستہ، آہستہ چلتا ہوا ایمل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''آج خوشی کے اس موقع پر میں آپ سے آپ کی بیٹی ارتقاع کا ہاتھ اپنے بیٹے رواحہ کے لیے مانگتا ہوں۔'' ارتقاع جواب ایمل کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی اس نے ایمل کی بغل میں منہ چھپا لیا۔ ایمل نے پہلے ممی کی طرف اور پھر مدثر کی طرف دیکھا۔

''رواحہ صرف نصیر احمد بزاز کا پوتا نہیں ہے۔ کرنل حامد کا بھانجا اور ملک اسفند یار کا نواسا ہے اور پھر اس کا باپ بھی کوئی ایسا گیا گزرا نہیں ہے۔''

ممی اور ایمل کو خاموش دیکھ کر اندر بہت سے کانچ ٹوٹ کر بکھرے تھے۔ اور اس نے بے حد آہستگی سے کہا جسے صرف ممی ہی سن سکی تھیں۔ انہوں نے سٹپٹا کر ایمل کی طرف دیکھا جو ارتقاع کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ ارتقاع کے دل کا حال جانتی تھی۔ ان بیتے چند دنوں میں ارتقاع نے اس سے بہت ساری دل کی باتیں کی تھیں۔ بہت سارے شکوے بھی کیے تھے اور معافیاں بھی مانگی تھیں۔ جب بھی اسے کوئی بات یاد آتی وہ فوراً اظہار کر دیتی تھی، اب بھی وہ اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ اسے رتی کیوں نہیں کہتی تھیں جبکہ پاپا کہتے تھے کہ میری ماما نے مجھے رتی کہہ کر بلایا تھا۔

''جب بابر نے تمہارا نام رکھا تو مجھے مشکل سا لگا تو میں نے کہا میں تمہیں رتی کہا کروں گی لیکن بعد میں مجھے یہ نام ہندوانا سا لگا تو میں تمہیں ارتی کہہ کر بلانے لگی۔'' اس نے وضاحت کی تھی۔

ثمر حیات سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے ارتقاع سے نظریں ہٹا کر ثمر حیات کی طرف دیکھا۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے آپ اس کے بابا سے بھی پوچھ لیں۔''

''کیوں پروفیسر صاحب، کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے؟'' ثمر حیات نے وہاں ہی کھڑے، کھڑے مدثر حسن کو مخاطب کیا۔

''پہلی بات تو یہ کہ میں آپ سے چھوٹا ہوں آپ مجھے پروفیسر صاحب کیوں کہتے ہیں، نام سے بلایا کریں ناں...... دوسری بات یہ کہ مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا اگر ان کی والدہ کو نہیں ہے اور تیسری بات یہ کہ رواحہ مجھ جیسے ایک غریب پروفیسر کا بیٹا ہے وہ اچھی طرح سوچ لیں۔'' لیکن تالیوں کے شور میں ان کی تیسری بات کسی نے نہیں سنی تھی۔ مبارک، مبارک کا شور بلند ہو رہا تھا۔ ثمر حیات نے مدثر حسن کو گلے لگا کر مبارک باد دی۔ عظام، رواحہ کو گلے لگائے جانے اس کے کان میں کیا سرگوشیاں کر رہا تھا۔ جلیل خان نے ہاتھ اٹھا کر سب کو ایک بار پھر باہر آنے کے لیے کہا تو سب سے پہلے مقبول بٹ اٹھا۔

''چلو بھئی چلو، پہلے پیٹ پوجا کر لیں۔ بڑی دیر سے یہ اشتہا انگیز خوشبوئیں امتحان لے رہی ہیں۔'' اور اس کے ساتھ باقی سب بھی کھانے کے لیے اٹھنے لگے۔

☆☆☆

عنبرین اپنے فلیٹ کے چھوٹے سے لاؤنج میں خاموش بیٹھی تھی ایک عجیب سا خالی پن تھا جو صرف فلیٹ میں ہی نہیں اس کے وجود میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی کراچی سے آئی تھی۔ کچن کے سنک میں ان دھلے برتن جو وہ چھوڑ کر گئی تھی ایسے ہی پڑے تھے۔ کافی ٹیبل پر پڑے ایش ٹرے میں بابر کے پیے ہوئے سگریٹوں کی راکھ اور بچے ہوئے ٹکڑے پڑے تھے۔ اندر بیڈ روم میں اس روز کا بابر کا پھینکا ہوا تولیا اب بھی بیڈ پر پڑا تھا...... بابر کے سلیپر بیڈ کے پاس پڑے تھے۔ اس کا نائٹ سوٹ واش روم میں لٹکا رہا تھا۔ بابر کی ضرورت کی کئی چیزیں اس کی شیونگ کٹ، اس کے چند جوڑے کپڑے احتیاطاً اس نے یہاں فلیٹ میں رکھے ہوئے تھے کہ کبھی اچانک ہی وہ خالی ہاتھ آ جاتا تھا لیکن اب

اس نے کبھی نہیں آنا تھا۔ تنہا زندگی گزارنا تو پہلے بھی اسے مشکل ہی لگتا تھا لیکن بابر کے آنے کے انتظار میں تنہائی بہل جاتی تھی لیکن اب یہ انتظار بھی اس کی زندگی...... سے ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا تھا۔ بابر نے چند دن پہلے اسے فون کیا تھا۔

''تم نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک اچھا مستقبل تھا۔ وہ جس کے تم نے خواب دیکھے تھے۔ میرا تو کچھ نہیں بگڑا لیکن تم ساری زندگی پچھتاؤ گی۔ بہت جلد تمہیں میرا وکیل طلاق کے پیپرز بھجوا دے گا۔ یہ فلیٹ جو تمہارے نام ہی ہے اسے اپنا حق مہر سمجھ لینا...... اور......'' وہ ہنسا۔

''تمہاری کوشش بیکار ہی گئی وہ لوگ کبھی شاہجہان اور ارتفاع کو نہیں ڈھونڈ پائیں گے۔ رہی ایمل تو مجھے اس سے یوں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے جو حاصل کرنا تھا حاصل کرلیا...... بہت جلد میں اپنے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ تم پچھتاتی رہنا ساری زندگی۔'' اور وہ اسے یہ بھی نہیں بتا سکی تھی کہ ارتفاع مل چکی ہے اور افنان اس سے نفرت کرنے لگا ہے۔ وہ کبھی اس کے ساتھ نہیں جائے گا۔

وہ اداس تو تھی لیکن اسے کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ اس نے ایک بار ایمل کا گھر برباد کیا تھا۔ بابر کی گیم کا حصہ بنی تھی لیکن اب اس نے ایمل کی بیٹی کو برباد ہونے سے بچانے کی کوشش کرکے کفارہ ادا کرنا چاہا تھا۔ کبھی کبھی انسان کی زندگی میں کوئی ایک لمحہ ایسا آتا ہے جو اس کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ جب وہ صرف اپنے لیے نہیں سوچتا...... دوسروں کے لیے سوچتا ہے۔ اس کی زندگی میں وہ لمحہ آیا تھا اور سب کچھ بدل گیا تھا...... اس کی ترجیحات اس کا ذاتی مفاد سب پیچھے رہ گیا تھا اور صرف ایک سوچ اس پر حاوی ہوگئی تھی کہ ارتفاع کو غلط ہاتھوں میں جانے سے بچالے۔ ایمل، افنان، اتی، ممی سب ہی اس کے شکر گزار تھے۔ ایمل نے ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رہنے کی پیش کش کی تھی۔ وہ اس کی بڑائی اور اس کے خلوص کی معترف تھی کہ اس نے اسے معاف کردیا تھا...... لیکن وہ جانتی تھی کہ ایک ایسی عورت کو ہر وقت اپنی نظروں کے سامنے

دیکھنا اور برداشت کرنا جس نے اس کا محبت بھرا آشیانہ اجاڑا تھا، آسان نہیں تھا۔ سو وہ واپس آ گئی تھی اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ جب کبھی اس کا دل گھبرائے گا تو ایک گھر ایسا ہے جہاں وہ جائے گی تو سب کھلی بانہوں سے اس کا استقبال کریں گے۔ اسے اب اپنی آئندہ زندگی کے لیے کوئی لائحہ عمل سوچنا تھا...... وہ کوئی چھوٹا سا بوتیک کھول لے یا کہیں جاب کر لے...... لیکن بھلا وہ کیا جاب کر سکتی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یک دم دروازے پر بیل ہوئی۔ وہ چونک کر لمحہ بھر تو خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتی رہی پھر ہولے سے ہنسی...... آتے ہوئے اس نے ساتھ والے فلیٹ کی مسز ناصرہ کو پیغام دیا تھا کہ جب صفائی والی ماسی آئے تو بھیج دیں۔ یقیناً وہی ہوگی...... وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ مین ڈور کھولا اور حیرت سے لمحہ بھر آنے والوں کو دیکھتی رہی پھر بے اختیار لبوں سے نکلا۔

''آپا آپ......؟'' اور اس کی نظریں آپا کے ساتھ کھڑی اپنی بیٹی پر اٹک گئیں جو بہت اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا اندر نہیں آنے دوگی؟'' آپا کا لہجہ خوشگوار سا تھا۔

''ہاں، ہاں آئیں......'' اس نے نظریں اس سے ہٹائیں اور آنے کا راستہ دیا۔

''میں تمہاری بیٹی کو تم سے ملوانے لائی ہوں بینو......'' آپا نے مسکراتے ہوئے باری، باری دونوں کی طرف دیکھا۔ اس کی حیرت دوچند ہوئی۔ وہ ششدر سی کھڑی تھی۔

''گڑیا یہ تمہاری حقیقی ماں ہیں۔''

''میری بیٹی، میری گڑیا......'' بے اختیار آگے بڑھ کر اس نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا اور چومنے لگی۔ آنکھیں یک دم ہی آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ گڑیا کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ آپا نے اسے الگ کیا تو وہ ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

''آپا...... آپا۔'' آپا نے محبت سے اس کے آنسو پونچھے اور اسے بٹھاتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئیں۔

''میں نے احمد علی سے بات کی تھی۔ احمد علی خود بھی چاہتا تھا کہ اب جب گڑیا کی شادی ہو رہی ہے تو شادی سے پہلے اسے اپنی حقیقی ماں کے متعلق معلوم ہونا چاہیے۔ سسرال کا معاملہ نازک ہوتا ہے۔ کل کلاں کو وہ کہیں اور سے سنیں تو ہوتا ہے، کبھی، کبھی دو افراد ایک دوسرے کے ساتھ نبھا نہیں کر پاتے۔ تم دونوں بھی نہیں کر پائے۔'' آپا نے بہت ہلکے پھلکے انداز میں بات کی۔

''ابو کہتے ہیں وہ غصے کے تیز تھے اور آپ بھی انہیں غصہ دلا دیتی تھیں سو اسی غصے میں انہوں نے آپ کو طلاق دے دی...... اور زیادہ غلطی انہی کی تھی انہیں اپنے غصے پر قابو نہیں تھا۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی۔

''میری گڑیا......'' اس نے ایک بار پھر اسے لپٹا لیا تھا۔

''میں فوراً ہی آپ کے پاس آنا چاہتی تھی، ملنا چاہتی تھی لیکن پہلے شادی کے فوراً بعد ہم گھومنے چلے گئے۔ مہینے بھر بعد واپس آئے تو پھر دعوتیں پھر بھی امی آئی تھیں اِدھر میرے ساتھ لیکن آپ نہیں تھیں۔''

''ہاں، میں کراچی گئی ہوئی تھی۔'' اس نے متشکر نظروں سے آپا کی طرف دیکھا۔

سچ ہے اللہ انسان کا کوئی اچھا عمل ضائع نہیں کرتا۔ اس نے ایک نیکی کی تھی اور اللہ نے اس نیکی کے عوض اسے اس کی بیٹی سے ملا دیا۔ رہا بابر تو اس کے دل میں ہمیشہ ایک کسک رہے گی کیونکہ اسے بہرحال بابر سے محبت تھی لیکن اسے پچھتاوا نہیں تھا۔

اس نے اپنی بیٹی کی پیشانی کو چوما اور آپا کے منع کرنے کے باوجود ان کے لیے جوس لینے کے لیے اٹھ گئی۔

☆☆☆

ثمر حیات اپنے بیڈ روم میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ ٹہلتے ، ٹہلتے وہ اپنی فرحی اور روحان کی تصویروں کے پاس رکا اور اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ اسے اپنے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہوتے محسوس ہوئے۔ ''ہمارے روحان نے ایسی زندگی گزاری ہے فرحی جیسی تم چاہتی تھیں۔ صاف ، شفاف ، سادہ اس زندگی سے بالکل مختلف جو میں نے اور جلیل خان نے گزاری۔ ایک بہت پیارے انسان کی بے انت محبتوں کے سائے تلے۔'' اس نے دل ہی دل میں فرحی سے باتیں کرتے ہوئے تصویر واپس اپنی جگہ رکھ دی۔ اور اچانک ہونے والی تبدیلیوں کے متعلق سوچتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ روحان اور اماں کا ملنا عظام کے والدین کا پتا چلنا...... عظام کا نکاح یہ سب بہت خوش کن تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں دل بجھا ، بجھا سا تھا۔ اس نے جلیل خان سے صاف ، صاف کہہ دیا تھا کہ اسے اب اس زندگی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا ہے۔ جلیل خان نے بہت سارے معاملات سے اس کو نکال لیا تھا لیکن پھر بھی کچھ معاملات ایسے تھے کہ وہ ان سے نکل نہیں پا رہا تھا۔ کیسا خار دار راستہ تھا جو اس نے اپنے لیے چنا تھا۔ ابھی نہ جانے کتنی مسافت باقی تھی۔ اسے اپنے اعصاب ایک بار پھر کھنچتے ہوئے سے محسوس ہوئے تو اس نے صوفے کی پشت پر سر ٹکتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ گزری زندگی کا ایک ، ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ اسمگلنگ ، ہیر پھیر ، دادا گیری...... وہ جلیل خان کے ساتھ کس ، کس کام میں شامل رہا تھا۔ اس کے متعلق سوچتے ہوئے اس کے اندر اذیت کی لہریں سی اٹھنے لگیں۔ یہ سب غلط تھا لیکن اب جو کچھ وہ کرنے جا رہا تھا وہ...... جلیل خان نے ولسن اور ایرک کے لیے کام کرنے کی حامی بھر لی تھی...... کام کی نوعیت کیا تھی۔ ابھی وہ نہیں جانتا تھا لیکن اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ لوگ ملک دشمن سرگرمیوں میں مصروف ہیں وہاں راجندر نامی جس شخص سے اس کی ملاقات ہوئی تھی وہ اسے غیر ملکی ایجنسی کا بندہ لگا تھا۔ گو ولسن نے اس کا تعارف ایک محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے ہی کروایا تھا اور اس کا تعلق حیدر آباد سے بتایا تھا لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ سب لوگ مل کر اس کے ملک کی جڑیں کاٹ رہے ہیں...... اور اسے ان کا حصہ نہیں بننا تھا۔

''یہ آپ نے اچھا نہیں کیا بگ با ، ان لوگوں کے لیے کام کی ہامی بھر کے۔'' اس نے ولسن کے بنگلے سے واپس آ کر گلہ کیا تھا۔ ''جب میٹنگ میں یہ طے ہوا تھا کہ ہم بہت سوچ سمجھ کر یہ ڈیل کریں گے اور اگر سب کی رائے نہ ہوئی تو آپ انکار کر دیں گے۔''

''میں بہت مجبور ہو گیا تھا۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ مجھ پر کہیں اور سے بھی دباؤ ہے۔'' جلیل خان پہلی بار اسے بے بس نظر آیا تھا۔

''لیکن مجھ پر کوئی دباؤ نہیں ہے اور میں وہی کروں گا جو صحیح سمجھوں گا۔'' اس نے یہ بات کہی نہیں تھی بلکہ دل میں سوچی تھی اور وہ ان میں گھل مل گیا تھا۔ ولسن ، راجندر ، یعقوب سب ہی اس سے بے تکلف ہو گئے تھے اور ایرک تو پہلے ہی اسے پسند کرتا تھا۔ جلیل خان ان کے ساتھ ہونے والی اپنی ہر میٹنگ میں اسے ساتھ رکھتا تھا اور چند ہی دنوں میں اس پر جو اتفاقاً انکشاف ہوئے تھے اس نے اس کے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ لوگ اس کے ملک کو کتنا نقصان پہنچا رہے تھے اور مزید کتنا پہنچانے والے تھے اس کا وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شاید اس لیے اس کا دل بجھا ، بجھا سا تھا اور اپنا آپ کسی شکنجے میں کسا ہوا سا لگتا تھا۔ وہ رواحہ اور اماں کی موجودگی کو بھی صحیح طرح سے انجوائے نہیں کر پا رہا تھا۔ اماں کو مقبول بٹ جاتے ہوئے اس کے پاس چھوڑ گیا تھا۔

''تجھ پر ترس کھا کر اماں کو تمہارے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ لیکن یہ نہ بھولنا کہ اماں کا ایک اور بیٹا بھی ہے اور اس کا بھی اماں پر اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا...... سو جب بھی اداس ہوا لے جاؤں گا۔''

وہ مقبول بٹ کا بہت شکر گزار تھا۔ دنیا شاید ایسے ہی اچھے لوگوں کی وجہ سے اب تک قائم تھی۔ مدثر حسن '

رواحہ کو ان کی طرف بھیجتے تو وہ عظام کو بھجوا دیتے اور رواحہ، اماں سے خوب لاڈ اٹھواتا لیکن پھر کچھ ہی دنوں بعد مدثر حسن کی طرف جانے کو بے قرار ہو جاتا۔ البتہ عظام کو ان سے دوری کی عادت تھی سو وہ دونوں جگہ ہی مطمئن رہتا لیکن دونوں کا دل زیادہ مدثر حسن کی طرف ہی لگتا تھا وہاں ان دنوں ارتفاع اور افنان بھی تھے اور چاروں مل کر خوب رونق لگاتے تھے۔ ایمل لاہور واپس چلی گئی تھی کیونکہ یہ گھر بابر کے نام تھا اور اس نے گھر فروخت کر دیا تھا اور خریدنے والوں نے ایک ماہ کے اندر، اندر گھر خالی کرنے کے لیے کہا تھا۔ افنان اور ارتفاع کے فائنل پیپرز ہونے تھے اس لیے یہی طے پایا تھا کہ وہ ایگزام کے بعد لاہور جائیں گے۔ ارتفاع تو مدثر حسن کی طرف آ گئی تھی لیکن افنان کا ارادہ ہاسٹل میں رہنے کا تھا لیکن عظام اور مدثر حسن کے اصرار پر وہ بھی ان کے گھر منتقل ہو گیا تھا۔ مدثر حسن کا ارادہ بھی تھا ان سب کے فائنل کے بعد وہ بھی لاہور شفٹ ہو جائیں گے تاکہ جب ان کا دل چاہے وہ ارتفاع سے مل سکیں اور عظام، ایمل سے ملنے جا سکے...... مدثر حسن نے جس طرح افنان کے لیے بازو وا کیے تھے۔ اس نے ثمر حیات کے دل میں ان کی قدر بڑھا دی تھی لیکن ثمر حیات کو ان کے ساتھ ہونے والے المیے کا بہت دکھ تھا۔ بے شک وہ ایمل کے سامنے سرخرو ہو گئے تھے، ان کی وفا معتبر ٹھہری تھی لیکن دل میں ایمل کی بے اعتباری نے جو زخم دیے تھے انہیں ہمیشہ رہنا تھا اور جو فاصلے پیدا ہو گئے تھے وہ کبھی مٹنے والے نہیں تھے۔ شاید زندگی میں کسی کو کبھی کوئی خوشی پوری نہیں ملتی۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کمی رہ جاتی ہے۔ ایمل کا محبت پر اعتبار بحال ہوا تھا لیکن اپنی محبت پر بے اعتباری کی خلش ہمیشہ اس کے دل میں رہنی تھی۔ شاید زندگی اسی کا نام ہے۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور ایک بار پھر ولسن وغیرہ کے نیٹ ورک کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ جتنا سوچتا اتنا ہی اس کا فیصلہ مستحکم ہو جاتا، آج تک اس کی زندگی میں جو کچھ ہوا تھا وہ سب اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا لیکن اب جو کچھ وہ کرنے جا رہا تھا اس کے لیے وہ مسلسل پلاننگ کر رہا تھا اور اب بھی اس کا ذہن اسی تانے بانے میں الجھا ہوا تھا جب اچانک دروازہ کھلا، آہٹ پر اس نے آنکھیں کھول دیں اور جلیل خان کو دیکھ کر یک دم کھڑا ہو گیا۔ جلیل خان اس طرح یوں اس کے گھر کبھی نہیں آئے تھے۔

”بگ بابا آپ...... خیریت ہے ناں......؟“ جلیل خان نے سر ہلایا اور بیٹھ گیا لیکن وہ اب بھی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا وہ کچھ مضمحل اور تھکا، تھکا سا لگ رہا تھا۔

”سب ٹھیک ہے ناں بگ بابا......“ وہ پریشان ہوا۔

”اپنے گھر میں تو مجھے بگ بامت کہہ یار...... مدت ہوئی تم نے مجھے خان بابا نہیں کہا۔“ جلیل خان کے لبوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”یونہی جی چاہا تم سے کچھ باتیں کرنے کو تو چلا آیا۔“

”جی آپ کہیں بگ بانہیں جی، خان بابا......“ ثمر حیات بھی پُرسکون سا ہو کر بیٹھ گیا۔

”سوچ رہا ہوں ایک دو روز کے لیے لاہور چلا جاؤں۔ سجل بیٹی سے مل آؤں بہت ضد کر رہی ہے۔“

”جی ضرور......“ ثمر حیات نے اس کی تائید کی...... شاہجہان سے نکاح کے بعد جلیل خان نے اسے وحدت روڈ والی کوٹھی خالی کروا کے وہاں بھجوا دیا تھا۔ سجل کا ایڈمیشن بھی ایک پرائیویٹ کالج میں ہو گیا تھا۔ شاہجہان اور سجل کا اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا۔ گاڑی، ڈرائیور، ملازم ہر ممکنہ سہولت انہیں مہیا کر دی تھی۔ سجل اکثر فون پر ضد کرتی کہ وہ ان کے ساتھ رہے۔ جو بہرحال جلیل خان کے لیے ممکن نہیں تھا۔

”یہ سجل۔ نے اچانک میری زندگی میں آ کر عجیب سی ہلچل مچا دی ہے ثمر حیات...... سوچتا تھا میرا کون ہے کس کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں لیکن یہ جو پیسے کی ہوس ہوتی ہے ناں یہ کبھی ختم ہی نہیں ہوتی...... خون کے اندر رچ جاتی ہے۔ میرے اندر سے بھی یہ ہوس ختم نہیں ہوتی تھی اور...... اور کے لالچ نے مجھے ایسی دلدل میں پھنسا دیا ہے

کہ جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں......" وہ سر جھکائے ہولے، ہولے کہہ رہا تھا۔
"خان بابا! اگر آپ کوشش کریں تو شاید۔" ثمر حیات نے آہستگی سے کہا تو جلیل خان نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"نہیں ثمر حیات، یہ شاید ممکن نہیں ہے اب۔ تاہم میری پوری کوشش ہے کہ تمہیں اس جال سے نکال دوں کہ میں کسی نہ کسی حد تک تمہارے معاملے میں خود کو بھی مجرم سمجھتا ہوں۔"
"نہیں خان بابا! میں خود ہی بہت کمزور تھا اس لیے......"
"ہم جیسے لوگوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد جلیل خان نے پھر آہستہ، آہستہ کہنا شروع کیا۔
"لیکن میں نے انجام کی کبھی پروا نہیں کی تھی کہ جو ہوتا ہے ہوتا رہے، میرا پیچھے کون ہے رونے والا...... لیکن اب جب سے بجل ملی ہے میں بے ارادہ ہی گزری زندگی کا سود و زیاں کرنے بیٹھ جاتا ہوں تو زیاں ہی زیاں نظر آتا ہے۔ میری ماں کہتی تھی۔ جلیلے اس کام میں نفع نہیں ہے نرا نقصان ہی نقصان ہے...... پر آج تجھے سمجھ نہیں آتی اس بات کی جب آئے گی تو پتا چلے گا تجھے کہ تو نے ساری زندگی خسارے کے سودے کیے ہیں۔ میری ماں میرے لیے کڑھتی تھی، روتی تھی، نصیحتیں کرتی تھی مجھے لیکن میں اس کی باتوں کو ہنسی میں اڑا دیتا تھا۔ میں نے کہا تھا ناں تمہیں خرابی میرے جینز میں ہی تھی ایک بار جو اس زندگی میں قدم رکھا تو پھر یہ زندگی مجھے راس آگئی...... پہلی بار فرحی کی باتیں میرے دل میں لگی تھیں اور میں نے راستہ بدلنے کا سوچا تھا لیکن۔" وہ شاید دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہا تھا۔ ثمر حیات بہت خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ کبھی، کبھی ہوتا ہے ایسا کہ آدمی کا دل اتنا بوجھل ہو جاتا ہے کہ اس کا جی چاہتا ہے کہ وہ کسی کے سامنے اپنا دل ہلکا کرلے۔ شاید جلیل خان پر بھی آج یہی کیفیت طاری تھی۔
"یہ جو بجل ہے ناں، ثمر حیات......" اس کے لہجے میں بجل کے لیے بے پناہ شفقت اور محبت جھلکتی تھی۔
"اس کی باتیں بھی فرحی کی طرح سیدھی دل میں اتر جاتی ہیں۔ بڑی عجیب لڑکی ہے یہ بالکل میری ماں جیسی باتیں کرتی ہے۔ صبر کی، شکر کی، نیکی کی، رزقِ حلال کی۔" وہ ہولے سے ہنسا۔
"پتا نہیں کہاں سے سیکھی ہیں اس نے یہ باتیں...... خیر چھوڑو، میں یہ چاہ رہا تھا کہ اپنا سب کچھ بجل اور عظام کے نام کردوں۔"
"بگ با......" ثمر حیات نے بغور اسے دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "عظام کو اللہ نے بہت کچھ دیا ہے، اپنی ماں کی جائداد میں اس کا بھی حصہ ہے۔ اسی طرح رواحہ کو بھی ورثے میں اپنی ماں کا سارا حصہ کرنل حامل کی وصیت کے مطابق مل گیا ہے۔ آپ کے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ کیوں نہ ہم کسی ویلفیئر ٹرسٹ کے نام کردیں۔ میں تو خیر فیصلہ کرچکا ہوں کہ اپنے بیٹے کے رزق میں حرام کی ملاوٹ نہیں کروں گا۔ آپ......"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ثمر حیات......" خان بابا نے اس کی بات کاٹی۔ "لیکن یہ کام جلد از جلد ہونا چاہیے۔"
"میں نے ممتاز خان سے کہا ہے کہ وہ ایسے اداروں کے متعلق معلومات حاصل کرے، میں خود جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہ کام نبٹانا چاہتا ہوں۔"
"ٹھیک ہے۔" جلیل خان نے ایک ستائشی نظر اس پر ڈالی اور کھڑا ہو گیا۔ "شام کو ولسن نے سب کو بلایا ہے، تم آجانا ڈی ون وہاں سے اکٹھے نکلیں گے۔"
ثمر حیات نے سر ہلایا اور اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز سی مسکراہٹ بکھر کر معدوم ہو گئی۔
"تمہاری اماں کیسی ہیں؟" دونوں ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے بیڈ روم سے باہر آئے۔
"اماں ٹھیک ہیں، خوش ہیں۔" ثمر حیات کے چہرے پر روشنی سی اتری تھی۔
"چل یار کچھ دیر تمہاری اماں کے پاس چل کر بیٹھیں، ان کی دعائیں لیں۔ وہ بالکل میری ماں جیسی ہیں سراپا

محبت وشفقت...... اپنی ماں کے پاس تو کبھی ٹک کر بیٹھا نہیں وہ بلاتی رہتی تھیں، تمہاری اماں کے پاس سے اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔'' اس کی آواز میں آنسو سے گھل گئے تھے۔ ثمر حیات نے جلیل خان کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ بنا اس کی بات کا جواب دیے اس کے ساتھ اماں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

ثمر حیات ڈی ون کے بڑے ہال میں تھری سیٹر صوفے پر بیٹھا اپنے سامنے بیٹھے سیمو کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔

''تو تم کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''یس باس...... لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ ریموٹ نے کام کیوں نہیں کیا۔''

''مجھے پوری بات بتاؤ سیمو......''

''انہوں نے مجھے ایک ریموٹ کنٹرول بم دیا تھا جو مجھے ایک آفس کے احاطے میں رکھنا تھا۔ شاید کوئی سرکاری آفس تھا۔ یہ کام تو میں نے کر لیا اس کے بعد مجھے جب فون آتا تو میں نے ریموٹ کا بٹن دبانا تھا اور میں نے ایسا ہی کیا میں دباتا رہا لیکن ریموٹ نے کام نہیں کیا...... اور پھر کچھ دیر بعد ہی آفس میں ہلچل مچ گئی...... بم ڈسپوزل اسکواڈ آ گیا اور انہوں نے بم تلاش کر لیا اور اس سفید بندر نے کہا تھا یہ ٹرائل ہے میرا...... اس میں کامیاب ہو گیا تو بعد میں بڑے کام سپرد کیے جائیں گے۔ اب بہت بولے گا رات میٹنگ میں...... یہ بگ با نے بھی ہمیں کہاں پھنسا دیا ہے۔''

''یہ ریموٹ مجھے دکھانا سیمو......'' ثمر حیات نے اس سے ریموٹ لے لیا تھا اور اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''ایک بات تو بتا سیمو...... جب تم نے وہاں بم چھپایا تھا تو تمہارا دل نہیں کانپا تھا۔ دس بارہ بندے بے گناہ مارے جاتے۔''

''ہمارا کیا ہے باس، ہم تو حکم کے غلام ہیں، حکم ملے تو بنجر زمینوں پر پھول اگا دیں اور حکم ملے تو ہری بھری سرسبز کھیتیاں اجاڑ دیں، زرخیز زمین کو بنجر بنا دیں۔'' سیمو نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''پر ایک ضمیر کی عدالت بھی تو ہوتی ہے سیمو کبھی تیرے اندر تیرے ضمیر نے عدالت نہیں لگائی۔'' وہ ریموٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ صرف وہی جانتا تھا کہ ریموٹ نے کام کیوں نہیں کیا۔

''نہیں باس......'' سیمو کے جواب پر وہ ریموٹ صوفے پر رکھ کر اسے دیکھنے لگا۔

''اندر کے جھگڑے پر کبھی غور نہیں کیا...... بس برسوں پہلے اپنا آپ بگ با کو سونپا تھا۔ چچا، چچی کے ٹکڑوں پر پلنے والا یتیم سیمو جسے سب ہی ٹھوکروں پر رکھتے تھے، اسے ایک بار گلی کے لڑکوں سے پٹتے ہوئے بگ با نے بچایا تھا تو تب سے ہی سیمو، بگ با کا بے دام غلام بن گیا...... وہ کہے تو بنا سوال کیے سمندر میں چھلانگ لگا دوں، اپنا سر کاٹ کر اس کو پیش کر دوں۔'' وفاداری کے اس انداز نے ثمر حیات کو متاثر کیا اور اس نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ جلیل خان فون پر کسی سے بات کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''ٹھیک ہے آج ہی ایدھی صاحب کو باقی کاغذات پہنچا دو......'' فون آف کر کے اس نے ثمر حیات کی طرف دیکھا۔

''یہ ہماری عدالتیں بہت خوار کرتی ہیں بندے کو...... دنوں کا کام مہینوں میں جا کر ہوا ہے۔ لیکن شکر ہے سب ہو گیا......'' ثمر حیات اور جلیل خان نے اپنی تمام پراپرٹی اور بینک میں موجود رقم وغیرہ ایدھی کے علاوہ اور دو مختلف اداروں کو ڈونیٹ کر دی تھی۔ جلیل خان کا کچھ کام رہ گیا تھا جو آج مکمل ہو گیا تھا۔

''ان مخیر حضرات سے مل کر لگتا ہے کہ زندگی تو یہ لوگ گزار رہے ہیں، ہم نے تو صرف آگ سے دامن بھرا ہے۔''

''میں نے ڈی ون اور ڈی ٹو بھی بالی اور سیمو کے نام کر دی ہے۔ باقی سب لوگوں کے لیے ایسا بندوبست کر دیا ہے

کہ میرے بعد وہ فکرِ معاش سے آزاد رہیں گے۔'' جلیل خان کی بات پر ثمر حیات چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''ہم نے کہا تھا بگ با ہم نے کیا کرنے ہیں کوٹھیاں، بنگلے ہمارا جینا مرنا تو آپ کے ساتھ ہے پر لگتا ہے آپ ہم سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔''

''اوئے نہیں جھلیا..... ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن میں نے قیامت تک تو نہیں جینا ناں..... تو یہ سب جو میں کر رہا ہوں تب کے لیے ہے جب میں نہیں رہوں گا۔'' اور جلیل خان کی بات پر سیمو پُرسکون ہو گیا تو جلیل خان نے اس سے کہا۔

''سیمو یار مجھے کچھ دیر بعد نکلنا ہے ائرپورٹ کے لیے..... تم ایمرجنسی گیٹ سے نکل کر جاؤ اور ایک ٹیکسی لے آؤ اور اسے اُدھر پچھلی طرف ہی لانا۔'' سیمو کوئی سوال جواب کیے بغیر باہر نکل گیا تو ثمر حیات نے جو خاموشی سے جلیل خان کی بات سن رہا تھا پوچھا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''فی الحال تو برونائی جا رہا ہوں۔ وہاں سے کہاں جاؤں گا ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' جلیل خان نے کندھے اچکائے۔

''کیا بات ہے بگ با..... خیریت ہے۔'' ثمر حیات کی نظروں میں الجھن اور پریشانی تھی۔

''کیا بات ہونی ہے یارا..... بس آج تک یہ ملک دیکھا نہیں تھا سوچا مرنے سے پہلے یہ بھی دیکھ لوں۔'' جلیل خان نے بظاہر بے پروائی سے کہا تھا لیکن ثمر حیات کو اس کی آنکھوں میں ایک گمبھیر سنجیدگی دکھائی دے رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہا ہے حیاتے؟'' اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے پوچھا۔

''دیکھ رہا ہوں آپ آج مختلف لگ رہے ہیں۔'' ثمر حیات نے اپنا تجزیہ بتایا تو وہ ہولے سے ہنس دیا۔

''آدمی کبھی ہمیشہ ایک سا تو نہیں رہتا۔ تبدیلیاں تو آتی ہی ہیں۔ جسمانی بھی اور ذہنی بھی۔''

''آپ کی واپسی کب تک ہے بگ با؟'' ثمر حیات کی نظریں اب بھی اس کے چہرے کو کھوج رہی تھیں۔

''کیا خبر کب آؤں یا نہ ہی آسکوں۔''

''کیا آپ ہمیشہ کے لیے جا رہے ہیں بگ با.....؟'' ثمر حیات کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

''بوڑھا ہو گیا ہوں یار، ستر سال سے اوپر عمر ہے۔ کیا خبر کب بلاوا آجائے تو نہ آسکوں..... میری بیٹی کا بہت خیال رکھنا ثمر حیات..... کہنے کی ضرورت تو نہیں تیری بہو بھی ہے..... پر اسے وہ محبت بھی دینا جو میں نہیں دے سکا..... زندگی کا کیا بھروسا ہے ثمر حیات۔'' یہ وہ جلیل خان نہیں تھا جسے وہ جانتا تھا..... درونِ ذات کہیں کچھ اور سلسلہ چل رہا تھا جو وہ بتانا نہیں چاہتا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے بگ با.....'' اس نے ایک گہری سانس لی۔

''زندگی کا کیا بھروسا ہے۔ کون جانے کب کس کا وقت پورا ہو جائے۔ مجھے بھی آج آپ سے یہی کہنا تھا کہ میرے بعد میرے بچوں کے بزرگ بن کر ان کے ساتھ رہیے گا بالکل ایسے ہی جیسے فرحی چاہتی تھی۔''

''تب اور اب میں بہت فرق ہے شہزادے، تب میرے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں تھے۔ اب تو سر سے پاؤں تک جکڑا ہوا ہوں۔''

اس کے لبوں پر بہت افسردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ جو اسمگلنگ کو تجارت کہتا تھا..... اور منشیات کا کاروبار کرنے والوں سے دور بھاگتا تھا۔ کراچی میں آکر بدلتا چلا گیا..... ایک بڑے گینگ کا بگ با بن کر اس نے وہ کچھ کیا تھا جس کا آج سے پچیس سال پہلے تصور بھی نہیں کر سکتا تھا..... منشیات اور اسلحے کی اسمگلنگ وغیرہ سے..... ثمر حیات کو اس نے دور ہی رکھا تھا..... اب تو بین الاقوامی.....

''بگ بابا......'' ثمر حیات نے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ سیمو نے اندر جھانکا۔
''ٹیکسی آ گئی ہے بگ بابا......''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ ''میرے روم سے میرا بریف کیس لے آؤ اور ایک بیگ اور اٹیچی ہے اسے ٹیکسی میں رکھوا دو۔'' سیمو سے کہہ کر وہ مڑا اور ثمر حیات کی طرف دیکھتے ہوئے بازو پھیلا دیے...... ثمر حیات یک دم ہی اٹھ کر اس کے بازوؤں میں سما گیا۔ جلیل خان بہت دیر اسے اپنے بازوؤں میں بھینچے رہا۔

''خان بابا...... مجھے معاف کر دیجیے گا کبھی میں نے آپ کا دل دکھایا ہو...... حکم عدولی کی ہو۔'' اس نے بہت دنوں بعد آج اسے خان بابا کہا تھا۔

''اوئے تم نے میرا کیا دل دکھانا ہے...... تمہاری وجہ سے تو پہلے مجھے فرحی بیٹی کی خوشی ملی اور اب بجل بیٹی کی۔''

''پھر بھی خان بابا! آپ مجھے معاف کر دیجیے گا اگر مجھ سے کچھ غلط ہو جائے تو...... اگر میں......''

''یہ کیسی باتیں کر رہا ہے ثمر حیات......'' اس نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بازوؤں سے تھامتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کیا ٹھان رکھا ہے تم نے دل میں...... کیا کرنے والا ہے؟''

''کچھ نہیں خان بابا......'' اس نے نظریں چرائیں۔ جو کچھ اس نے کرنا تھا، وہ کر چکا تھا...... اب تو نتیجے کا انتظار تھا اسے...... جلیل خان کے باہر جانے کا سن کر اسے طمانیت محسوس ہو رہی تھی لیکن دل میں ایک نامعلوم سی اداسی بھی تھی۔

''ادھر میری طرف دیکھ کر بات کر۔'' دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے لیکن دونوں نے ہی ایک دوسرے کو اپنا بھید نہیں دیا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا ثمر حیات...... اور ان لوگوں سے پنگا مت لینا...... یہ بہت ظالم لوگ ہیں...... اور میں نے تم سے وعدہ کیا ہے ناں تمہیں ان سارے معاملات سے الگ کر دوں گا...... بات چل رہی ہے بے فکر رہ......'' اس نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''زندگی ہوئی تو انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔'' وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ انہیں پھر کبھی نہیں ملنا تھا لیکن دونوں کے دل پگھل رہے تھے...... اور اندر بہت سارا پانی اکٹھا ہو رہا تھا...... دونوں بوجھل قدموں سے ایمرجنسی گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔

☆☆☆

آغا خان اسپتال کے آپریشن تھیٹر میں ثمر حیات موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹر اس کی زندگی بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے جسم کے مختلف حصوں سے تین گولیاں نکالی جا چکی تھیں... تاہم ابھی ڈاکٹر اسے آبزرو کر رہے تھے اور کوئی بھی یقینی بات اس کی زندگی کے متعلق نہیں کہی جا سکتی تھی۔ باہر رواحہ، عظام، مدثر حسن کے علاوہ بالی، ممتاز خان اور سیمو بھی تھے جن کے چہرے ستے ہوئے تھے اور آنکھیں شدتِ گریہ سے سوجی ہوئی تھیں۔ وہ پچھلے اٹھارہ گھنٹوں سے یونہی اسی طرح بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ اور افراد بھی تھے جو بہت مضطرب اور بے چین تھے اور جنہیں رواحہ وغیرہ نہیں جانتے تھے۔ یہ سادہ لباس میں قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کے اہم افسران تھے جن کے لب خاموش تھے لیکن دل ثمر حیات کی زندگی کے لیے دعا گو تھے کہ ثمر حیات نے جو کچھ کیا تھا وہ شاید تاریخ میں کہیں رقم نہ کیا جائے لیکن اس نے اپنے ملک کو...... ایک بڑی سازش کا شکار ہونے سے بچایا تھا۔ اگر وہ لوگ کامیاب ہو جاتے تو ملک کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا...... ثمر حیات کو اتفاقاً ہی معلوم

ہوا تھا کہ یہ تین ملکوں کی خفیہ ایجنسیوں کی مثلث ہے جو مل کر ہمارے ملک کی جڑیں کھوکھلے کر رہے ہیں...... ایرک کی نرم دلی اور پسندیدگی کی وجہ سے اس نے بہت جلد اس کے دل میں جگہ پیدا کر لی تھی اور اعتماد بھی حاصل کر لیا تھا...... پھر بھی جو ثبوت اسے ملے تھے وہ محض اتفاق تھا۔ اس نے بہت خاموشی سے سب ثبوت حاصل کیے تھے۔ یہ لوگ نہ صرف ملک میں دھماکے کروانے میں ملوث تھے۔ بلکہ پس پردہ اور بھی بہت کچھ ہو رہا تھا۔ یہاں بے شمار بااثر لوگوں سے ان کے روابط تھے جن کے ذریعے وہ اپنے کئی کام نکالتے تھے...... اور پیسے کی ہوس میں یہ لوگ اپنے ہی وطن کی جڑیں کاٹ رہے تھے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ چند ماہ پہلے ایجنسی کے سابقہ افسر سے اس کی اچھی جان پہچان ہو گئی تھی۔ اس کے ذریعے ڈی جی اور کئی دوسرے زوردار افسران سے رابطہ ہوا...... ایجنسی کے کچھ افسر خفیہ طور پر اس سے ملے اور اس نے مع ثبوت کے معلومات انہیں فراہم کر دی تھیں...... اور یہ اس رات کی بات تھی جس روز جلیل خان نے ملک چھوڑا تھا اس رات ایرک اور ولسن کے ٹھکانے پر ان کی میٹنگ تھی اور ولسن، سیمو کو بہت جھاڑ رہا تھا کہ جلیل خان نے گدھے بھرتی کر رکھے ہیں۔ ضبط کی کوشش میں سیمو کا چہرہ لال ہو رہا تھا جبکہ اچانک وہ گھیر لیے گئے تھے...... ایرک، راجندر وغیرہ سب گرفتار ہو گئے تھے جبکہ ولسن نہ جانے کیسے بھاگ نکلا تھا...... اگلے کئی دن ملک کے مختلف شہروں میں گرفتاریاں ہوئیں، لوگ تبصرے کر رہے تھے۔ چینلو پر اندازے لگائے جا رہے تھے لیکن اصل حقیقت کا علم صرف چند خاص لوگوں کو ہی تھا۔ ان سب نے ثمر حیات کو ملک و قوم کا محسن قرار دیا تھا لیکن وہ ایک گمنام محسن تھا...... وہ اکثر سوچتا تھا کہ بھلا اس میں اللہ کی کیا مصلحت ہے کہ وہ اس زندگی کی طرف دھکیلا گیا ہے لیکن اب ان خاص لوگوں کے سامنے بیٹھا وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اللہ نے اس سے یہ ہی کام لینا تھا...... اس جیسے شخص کے ہاتھوں ملک ایک بڑی سازش کا شکار ہونے سے بچ گیا تھا۔

''اوکے تھینک یو ینگ مین۔'' ایف آئی اے کے ایک اعلیٰ افسر نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا...... یہ وہی افسر تھا جس کے ساتھ وہ مسلسل رابطے میں رہا تھا۔

''اپنا بہت خیال رکھنا...... یہ ملک اور اس کی آنے والی نسلیں اور ہم سب تمہارے شکر گزار ہیں۔ احسان مند ہیں۔'' وہ جب وہاں سے باہر نکلا تھا تو اس کے چہرے پر چھتیس سالوں بعد وہی بے فکری اور بے پروائی تھی جو صبح صبح اپنے گھر سے نکل کر گورنمنٹ کالج جاتے ہوئے ہوتی تھی۔ وہ اپنی دُھن میں پارکنگ کی طرف جا رہا تھا جب گھات لگائے اسنائپر نے اسے نشانہ بنایا تھا۔

''مدثر حسن اور مقبول بٹ......'' آپریشن تھیٹر کے دروازے سے ایک میل نرس نے جھانک کر آواز دی تو مدثر حسن کے ساتھ رواحہ اور عظام بھی تیزی سے آگے بڑھے تھے لیکن رواحہ اور عظام کو وہاں ہی روک کر میل نرس نے مدثر حسن کو اندر آنے کا اشارہ کیا تو وہ اندر گئے اور ثمر حیات کی طرف دیکھا۔ ثمر حیات نے آنکھیں کھولیں۔

''مقبول آ گیا لاہور سے؟''

''نہیں۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''رواحہ اور عظام آپ کے حوالے...... ایک آپ کا خون ہے اور دوسرا جگر گوشہ...... بٹ سے کہنا اماں کا خیال......'' ساتھ ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ڈاکٹروں نے انہیں باہر جانے کا اشارہ کیا اور اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

مدثر حسن سر جھکائے باہر آ گئے...... یہ کیا ہو گیا تھا۔ وہ تو خوش، خوش لاہور جانے کی تیاریاں کر رہے تھے...... افنان اور رتی امتحان کے بعد ایمل کے پاس جا چکے تھے جبکہ انہیں ابھی گھر فروخت کرنا تھا...... جاب کا مسئلہ بھی حل کرنا تھا اور......

''بابا......!'' رواحہ تیزی سے ان کے قریب آیا تھا۔ ''پاپا کیسے ہیں؟''
''دعا کرو، رومی تمہارے پاپا کو کچھ نہ ہو۔'' اور بالکل قریب کھڑے کرنل نے بھی بے اختیار ثمر حیات کے لیے دعا کی تھی لیکن بعض اوقات بہت سارے لوگوں کی دعائیں بھی جانے والوں کو نہیں روک پاتیں...... اندر ڈاکٹر نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے اس کی آنکھیں بند کردیں۔ وحدت روڈ کے گھر میں گہری نیند سوئی ہوئی شاہجہان یک دم دل پر ہاتھ رکھ کر اٹھ بیٹھی اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہاں ہی ایک طرف بیٹھ کر پڑھتی نجل نے گھبرا کر شاہجہان کی طرف دیکھا۔
''کیا ہوا اماں؟''
''ہائے کیا ہوا...... پتا نہیں کیا ہوا۔'' اور جیسے کسی ناقابلِ برداشت درد کو برداشت نہ کرسکتے ہوئے وہ رونے لگی۔
اور یہاں وہ سب وہاں ہی آپریشن تھیٹر کے باہر ایک دوسرے کے گلے لگے رو رہے تھے جب تھیٹر کا دروازہ کھلا تھا اور مدثر حسن اور عظام اسٹریچر کے ساتھ سر جھکائے باہر آئے تھے...... وہ سب اسٹریچر کے گرد اکٹھے ہوگئے تھے۔ سیمو اور بالی دہاڑیں مار، مار کر رو رہے تھے۔ ممتاز خان ضبط کر رہا تھا۔ جب کچھ لوگ اسٹریچر کے قریب آئے تھے یہ وہ لوگ تھے جنہیں مدثر حسن مسلسل اپنے قریب دیکھ رہے تھے۔ ایک ساتھ کئی ایڑیاں بجی تھیں اور ہاتھ ماتھے کی طرف اٹھے تھے۔ وہ سلیوٹ کرکے الٹے قدموں پیچھے ہٹے تھے۔
''ممتاز خان!'' مدثر حسن نے اس کی طرف دیکھا تو وہ ان کے قریب آیا ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہی تھا جو ان سب سے زیادہ مضبوط اور حوصلے میں لگ رہا تھا۔
''میں ایمبولینس کا انتظام کرتا ہوں۔'' ساتھ ہی اس نے بالی اور سیمو کو بھی اشارہ کیا تھا۔ تب ہی تقریباً بھاگتا ہوا مقبول بٹ ان کے قریب آیا تھا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ اسے مدثر حسن نے اطلاع دی تھی۔ آپریشن تھیٹر میں جانے سے پہلے ثمر کے ہونٹوں سے مقبول کا نام نکلا تھا۔ پتا نہیں ثمر نے اسے کیا کہنا تھا لیکن اسے تاخیر ہوگئی تھی۔
''اوئے ثمریا...... اوے ظالما...... یہ کیا کردیا تم نے...... اس بوڑھی ماں کا خیال کرلیا ہوتا جس نے کئی برسوں کے بعد تجھے دیکھا تھا۔'' وہ اسٹریچر پر جھکا ہوا رو رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا۔
''میں کیا کہوں گا تیری اماں سے...... کیا اس لیے اسے لاہور بھجوایا تھا۔ کس طرح بتاؤں گا اسے ظالما...... اتنے برسوں بعد کیوں ملا تھا ہاں اگر اس طرح جانا تھا تو......''
''بٹ صاحب......'' مدثر حسن نے اس کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ پلٹ کر ان کے گلے لگ گیا...... ممتاز خان نے آگے بڑھ کر عظام کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
''چلیں۔'' عظام نے سر جھکا لیا تھا۔ وہ سب اسٹریچر کے ساتھ، ساتھ خاموش آنسو بہاتے چل رہے تھے جبکہ وہ سادہ لباس میں خاموش کھڑے سنجیدہ چہروں والے افراد باادب سر جھکائے پیچھے، پیچھے چل رہے تھے۔ جب ثمر حیات کو ایمبولینس میں منتقل کیا جانے لگا تو ایک بار پھر ان افراد نے بالکل پہلے کے سے انداز میں ثمر حیات کو سلیوٹ کیا اور پیچھے ہٹ گئے...... ایمبولینس ثمر حیات کو لے کر روانہ ہوگئی...... اور......
برونائی ائرپورٹ کے ڈیپارچر لاؤنج میں اپنی فلائٹ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے جلیل خان نے پاکستان سے آنے والی کال وصول کی تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے جنہیں چھپانے کے لیے اس نے سر جھکا لیا۔ ثمر حیات کی کہانی ختم ہوگئی تھی...... لیکن اس کا سفر ابھی جاری تھا۔ اس کی فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھے، جھک کر اپنا بریف کیس اٹھایا اور اپنے انجام سے بےخبر، بوجھل دل اور بھاری قدموں سے دوسرے مسافروں کے ساتھ سر جھکائے اگلی منزل کی جانب چلنے لگا۔

(ختم شد)